ماہنامہ
بیداری
حیدرآباد

مدیر
☆☆☆
حافظ محمد موسیٰ بھٹو

زیر اہتمام
☆☆☆
سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ
400-بی لطیف آباد4-حیدرآباد

E-MAIL
m.moosabhutto@gmail.com
www.bedarimillat.com

موبائل نمبر:
03463216078

جلدانیسواں فروری-مارچ2025
قیمت:25روپے،سالانہ:300روپے

قرآن کا پیام (مستقل سلسلہ) ہمارے نام	محمد موسیٰ بھٹو	۲
استقبال رمضان	محب اللہ قاسمی	۱۳
غزہ نے تاریخ کا دھارا بدل دیا	آصف محمود	۱۷
نفس کے روگ اور ان کو سمجھنے کی ضرورت	محمد موسیٰ بھٹو	۲۰
لفظوں اور بے وفائیوں کا زخم۔ معاشرے کے ایک روگ کا جائزہ	محمد موسیٰ بھٹو	۲۳
شامی انقلاب، ماضی، حال اور مستقبل	ڈاکٹر حافظ محمد زبیر	۲۵
کامیاب لوگوں کی صفات و خصوصیات	آمنہ خالد	۳۹
بچوں کو سنبھالنے کی ضرورت بگاڑ کے جدید آلات کے پس منظر میں	مولانا اسرار الحق قاسمیؒ	۴۵
انسانی شخصیت میں دل کی اہمیت	حافظ مدثر اقبال	۵۰
جدید دور میں اللہ کے بندوں کے کام نہ آنے کا المیہ	مولانا ندیم احمد انصاری	۵۶
کتاب کی اہمیت	سمیہ اسلام	۶۱
ایک ارب پتی امریکی کی وصیت جو ہمارے لیے بھی سبق آموزہ	اسٹیو جابز	۷۰
عبدالوحید قریشی مرحوم	محمد موسیٰ بھٹو	۷۲
ہمارے کچھ اہم معاملات احادیث نبوی کی روشنی میں	محمد موسیٰ بھٹو	۷۴

پبلشر محمد موسیٰ بھٹو نے یادگار پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ 400بی لطیف آباد-4-حیدرآباد سے شائع کیا

محمد موسیٰ بھٹو

قرآن کا پیام

ہمارے نام

مسلم امت کو دوسرے لوگوں پر گواہ بنانا

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَي النَّاسِ (سورۃ البقرہ آیت ۱۴۳)

(اور مسلمانو، اس طرح ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا ہے تا کہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو)۔

یہ آیت ایسی ہے جس کی رو سے مسلمان کی حیثیت سے ہم پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم اپنے کردار اور دعوتی کام کے ذریعہ لوگوں تک (غیر مسلموں) تک دین کی دعوت پہنچائیں، ان تک توحید، رسالت اور آخرت کے عقیدے کی صداقت پہنچائیں اور ان کو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آشنا کریں، تا کہ ان میں حق و باطل میں تمیز پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو، اس طرح آخرت میں مسلمان کی حیثیت سے ہم دوسروں پر گواہ بن سکیں کہ یا اللہ ہم نے اپنے کردار، اپنی پاکیزہ اخلاقی زندگی اور اسلامی دعوت کے ذریعہ ان تک توحید وعقیدہ ورسالت کا پیام پہنچایا تھا، لیکن اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس سلسلے میں نہ صرف یہ کہ ہم کوئی کردار ادا کرنے سے قاصر ہیں، بلکہ ہم خود باطل نظریات سے متاثر ہو کر اپنی بنیادی تعلیمات سے دور ہو رہے ہیں۔

شھداء علی الناس کا تقاضہ یہ تھا کہ ہم عالمی سطح پر ایسے ادارے مستحکم کرتے، جن میں ذہین اور باصلاحیت علمی شخصیتوں کو متعین کرتے، جو عصر حاضر کی زبان میں علمی طور پر اسلام

کی بنیادی تعلیمات کو پیش کرتے، اس کے لئے کتابوں کے علاوہ میڈیا کے سارے جدید ذرائع کو اختیار کرتے۔

اس سے بھی آگے بڑھکر مسلمان کی حیثیت سے ہمارا کردار ایسا ہوتا کہ غیر مسلم اس کردار کو دیکھکر اسلام کی صداقت سے متاثر ہوتے، لیکن افسوس کی بات ہے کہ ان میں سے کسی ایک بھی محاذ پر کام نہ ہونے کے برابر ہے، حالانکہ مسلمانوں کے پاس عالمی سطح پر دعوتی کام کے لئے وسائل بھی موجود ہیں تو ذہین علمی شخصیتیں بھی، لیکن اپنی ذمہ داریوں سے غفلت بلکہ مادی طرز فکر سے مرعوبیت کی وجہ سے مسلمانوں کے مقتدر طبقات اور امت کی اہم شخصیتیں جن کے پاس امت کے وسائل موجود ہیں، اس سلسلے میں کردار ادا کرنے کے لئے تیار نہیں۔

کافر قوموں کی طرف سے ایک تو اسلام سے ناآشنائی کی وجہ سے وہ حق وصداقت کی روشنی سے محروم ہیں، اس طرح وہ آخرت میں اللہ کے شدید عتاب سے دوچار ہوں گے، دوم یہ کہ مسلمانوں کی طرف سے شھداؤ علی الناس کا کردار ادا نہ کرنے کی وجہ سے کفر کی طاقتور قومیں دنیا میں عذاب بن کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی ہیں، چونکہ وہ مادیت پر فدا ہیں، اس لئے مسلمانوں کے جملہ وسائل پر قبضے کی خاطر وہ ہر قسم کا حربہ اختیار کر رہی ہیں۔

یہ سب نتیجہ ہے اسلامی کردار کے فقدان اور عالمی سطح پر دعوتی کام کے لئے امت کی طرف سے منظم کام نہ ہونے کا۔

اب بھی وقت نہیں گیا، امت اگر اس سلسلے میں مؤثر کردار ادا کرے تو وہ دوسروں پر گواہ ہو کر آخرت میں اللہ کے عتاب سے بھی بچ سکتے ہیں تو ساتھ ساتھ دنیا میں بھی اللہ کی طرف سے ایسی صورت پیدا ہو گی کہ مادیت پرست قوموں کے دلوں میں مسلم امت کی مرعوبیت پیدا کر دی جائے گی۔

مسلم امت کے مقتدر طبقات کو خواب غفلت سے بیدار ہو کر اس سلسلے میں اپنے حصے کا بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے، یہ آیت اس سلسلے میں ہم سب کو اپنی ذمہ داریوں سے آشنا کرتی ہے، اگر ایمان و یقین کی فضا موجود ہو تو یہ آیت ایسی ہے، جو بندہ مومن کو مضطرب کر دیتی ہے کہ وہ کس طرح شھداء علی الناس کا کردار ادا کرے، تاکہ وہ آخرت میں اس سلسلے میں جواب دہی سے بچ سکے۔

اہل ایمان کو حقیقی ایمان لانے کی تاکید

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا۔(سورۃ النساء آیت ۱۳۶)(اے ایمان والو ایمان لاؤ)۔

حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّهَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ۔(سورۃ الحجرات آیت ۷)(لیکن اللہ نے تمہارے لئے ایمان عزیز (محبوب) بنادیا اور تمہارے دلوں کو ایمان سے مزین کر دیا اور کفر گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا)۔

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۔(سورۃ المجادلہ آیت ۲۲)(یہ وہ لوگ ہیں، جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو (پتھر کی لکیر کی طرح راسخ) تحریر کر دیا، اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے)۔

پہلی آیت میں ایمان کا لفظ ایک دوسرے کے ساتھ دوبار استعمال کیا گیا ہے، جس سے اہل ایمان کو تاکید کرنا مقصود ہے کہ وہ ایمان کی ظاہری حالت پر اکتفانہ کریں کہ زبان سے ایمان لانے کے بعد محنت کے ذریعے ایمان کو دل کی گہرائیوں میں داخل ہونے سے گریز کریں، ایمان کی حقیقی حالت اس وقت ثابت ہوگی، جب وہ مجاہدوں کے ذریعے دل کی گہرائیوں میں داخل ہوگا اور اس سے صالح اعمال کی استعداد اور قوت حاصل ہوگی۔

صحابہ کرام کے ایمانی حالت کی عکاسی

بعد کی دو آیتوں میں صحابہ کرام کے ایمان کے حالات کی عکاسی فرمائی گئی ہے کہ ان کے دلوں کو ایمان سے مزین کر دیا گیا ہے اور کفر اور گناہوں کے کاموں سے ان کے دلوں میں بیزاری کی حالت مستحکم ہوگئی ہے، نیز ایمان ان کے دلوں میں اتنا راسخ ہوگیا ہے جیسے پتھر پر لکیر راسخ ہو جائے۔

صحابہ کرام کے ایمان کی حالت کا کچھ بھی حصہ حاصل ہونا تو ممکن نہیں، اس لئے کہ انہیں اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی صحبت و تربیت حاصل تھی، اس صحبت سے وہ اخلاص کے بلند مقام پر فائز ہو گئے تھے، اور ایمان کا زندہ نمونہ بھی۔

ایمان سے دل کو ہدایت کا حاصل ہونا

وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ (سورۃ التغابن آیت ۱۱) (جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے تو اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے)۔

اللہ پر ایمان کا لازمی نتیجہ قلب کی ہدایت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، قلب کی ہدایت سے خوف، خشیت، پرہیز گارانہ زندگی اور اعمال صالحہ حاصل ہوتے ہیں، اللہ پر ایمان سے دل میں ہدایت کے اجزاء تو حاصل ہونے لگتے ہیں، لیکن ہدایت کی راہ پر استقامت اور ایمان کی حالت میں ارتقا کے لئے دل پر محنت کی ضرورت لاحق ہوتی ہے، اور دل کو اللہ کی محبت سے سرشار کر کے، غیر اللہ کے نقوش کو مٹانا پڑتا ہے، یعنی اللہ پر ایمان سے دل میں ہدایت تو حاصل ہوتی ہی ہے، لیکن ہدایت کی اس حالت میں ارتقا کے لئے مجاہدوں سے کام لینا پڑتا ہے، نفس، ایمان کی ارتقا کی راہ میں شدید مزاحم ہوتا ہے، اس سے معرکہ آرائی کر کے ایمان کو مستحکم کرنا پڑتا ہے اور راہ ہدایت پر مستقل مزاجی سے گامزن ہونا پڑتا ہے۔

اللہ پر ایمان کے نتیجے میں حاصل ہونے والے انعامات

جنت اور اللہ تک رسائی کا حاصل ہونا

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَـقِيْمًا ۔ (سورۃ النساء آیت ۱۷۵) (بس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اس کے دین کو مضبوط پکڑے رہے، ان کو وہ اپنی رحمت اور فضل سے (جنت) میں داخل کرے گا اور اپنی طرف پہنچنے کا سیدھا راستہ دکھائے گا)۔

اس آیت میں اللہ پر ایمان کے نتیجے میں دنیا و آخرت کی خوشخبری سنائی گئی ہے، اپنے فضل اور رحمت سے جنت کی خوشخبری اور اپنی طرف سیدھا راستہ دکھانے کی خوشخبری۔

یہ دو خوشخبریاں کیا ہیں؟ ان میں دین و دنیا کی ساری سعادتیں شامل ہیں، بندہ مؤمن اللہ تک پہنچنے کے راستے کا متمنی ہوتا ہے اور اس کے لئے ہر ممکن حد تک کوشاں بھی۔ اس آیت میں وعدہ فرمایا گیا ہے کہ صاحب ایمان فرد کو اس کاوش کا حاصل مل کر رہے گا، اسے مطمئن ہونا چاہئے کہ وہ نفس پرستی اور مادیت پرستی کی ساری قوتوں سے بچ بچا کر بالآخر اللہ تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گا۔

یہاں یہ نکتہ بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ اللہ پر ایمان کے نتیجے میں رسالت اور آخرت وغیرہ پر ایمان از خود شامل ہو گیا۔ پھر ایمان محض زبانی ایمانی نہیں ہوتا، بلکہ اللہ پر ایمان اپنے ساتھ وہ قوت لاتا ہے، جس سے فرد کی ساری زندگی، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے وابستہ ہو جاتی ہے اور اس کی زندگی کا کوئی پہلو بھی اطاعت سے خالی نہیں رہتا، اللہ پر ایمان فرد کی ساری شخصیت کو اسلام سے ہمہ آہنگ بنا دیتا ہے۔

اس آیت میں اس طرح کے ایمان کا لازمی نتیجہ جنت کے انعام کی صورت میں بتایا گیا ہے اور اللہ تک رسائی کی شکل میں بھی۔

بندہ مؤمن، اللہ کی ان نعمتوں پر جتنا بھی شکر ادا کرے، کم ہے۔

ایمان سے امن کی بشارت کا ہونا

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَـهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَـهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۔(سورۃ الانعام آیت ۸۲)(جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان میں شرک کی ملاوٹ نہیں کی تو ان کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں)۔

اس آیت میں بندہ مومن کے لئے خوشخبری ہے کہ اگر ایمان میں ظلم یعنی شرک کی ملاوٹ نہ ہو تو ایسے اہل ایمان کے لئے امن کی بشارت ہے۔ اہل ایمان کو تو سب سے زیادہ موت کے وقت، اور قبر و حشر کا خوف لاحق ہوتا ہے کہ معلوم نہیں، اس کے ساتھ وہاں کیا

معاملہ ہوگا، معلوم نہیں، وہ اللہ کے عتاب سے بچ سکے گا یا نہیں، اس آیت میں بندہ مؤمن کو یقین دلایا گیا ہے کہ اگر اس کے ایمان میں شرک کی آمیزش نہیں ہے تو اس کے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا اور اس کے لئے موت کے وقت سے لے کر ساری منزلوں کو آسان کر دیا جائے گا اور اس پر امن اور سکون کی حالت غالب کر دی جائے گی۔

یہ آیت ایسی ہے جو بندہ مؤمن کے لئے سب سے زیادہ حوصلہ افزائی کی آیت ہے۔

اس خوشخبری کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بندہ، اعمال سے بے نیاز ہو جائے یا اعمال میں سستی و کوتاہی کا مظاہرہ کرے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اعمال میں بندے سے جتنی بھی مستعدی ہو سکتی ہے، اس کا مظاہر کرے، باقی کوشش کے باوجود اگر گناہ ہوتے ہیں تو شرک کے سوا بندے کے سارے گناہ معاف کر کے، اسے حالت امن عطا فرمائی جائی گی اور اسے نوازا جائے گا اور اسے خوف وحزن سے بچایا جائے گا۔

اعمال کی اہمیت

نفس کو اعمال کا عادی بنائے بغیر

اسلام کے تقاضوں کا پورا نہ ہونا

ایمان کے بعد اسلام میں اعمال کو اہمیت حاصل ہے، اعمال کا مطلب ہے کہ زندگی اس طرح گزاری جائے کہ زندگی کا کوئی پہلو اور گوشہ اسلامی تعلیمات سے خالی نہ ہو، دین اسلام (جو اللہ نے ہمارے لئے تجویز فرمایا ہے) وہ زندگی کے سارے معاملات میں ہماری رہنمائی فرماتا ہے، معاملات، معاشرت، تعلقات، کاروبار، سیاست، عبادت وغیرہ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جو دین اسلام کا حصہ ہیں، ان چیزوں پر عمل پیرا ہونے کو اعمال کہتے ہیں، جب تک

اعمال کی پوری طرح استعداد حاصل نہ ہو گی اور اعمال مکمل طور پر اسلام سے ہمہ آہنگ نہ ہوں گے، تب تک اسلام کی عمارت قائم نہ ہو سکے گی، ایمان بنیاد ہے تو اعمال کی حیثیت عمارت کی سی ہے کہ عمارت کے بغیر بنا بنایا گھر تیار نہیں ہو سکتا۔

اعمال میں جتنی کمزوری اور سستی ہو گی، اسی حساب سے دین اسلام کی ہماری حالت کمزور ہو گی، اسی حساب سے جہاں ہماری دنیاوی زندگی خرابیوں اور بگاڑ سے دوچار ہو گی، وہاں آخرت میں بھی ہم اللہ کے عتاب کا شکار ہوں گے، اللہ کی نافرمانی اور اللہ کا عتاب ایسی چیز ہے، جس کے تصور سے ہی بندہ مؤمن لرزنے لگتا ہے۔

موجودہ دور میں ہم اگر اپنا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ پوری ملت بحیثیت مجموعی اعمال کے معاملے میں بہت پیچھے ہے، معاملات میں بگاڑ سے دوچار ہے، اخلاق اور کردار میں قابل رحم حالت میں ہے، کاروباری معاملات تو از حد خراب ہیں، اس کا نتیجہ ہے کہ وہ دنیا میں کافر قوموں کی یلغار کا شکار ہیں، اور اللہ نے ان سے اپنی مدد اور نصرت سلب کر لی ہے۔

جب تک ہمارے اعمال میں درستگی اور بہتری پیدا نہ ہو گی اور وہ اسلام سے ہمہ آہنگ نہ ہوں گی، تب تک ہم دوسری قوموں کے ہاتھوں عبرت کا نشانہ بنتے رہیں گے۔

یہ وہ سزا ہے جو ایمان کی دعویدار ملت کو اعمال سے محرومی کی وجہ سے ملی ہے۔

اعمال کے بارے میں کچھ آیتوں کے ترجمے پیش کئے جاتے ہیں۔

"اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ بھلائی کرتے رہنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کہنا اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہنا۔ (البقرہ ۸۱)

(اور نیکی یہی نہیں ہے کہ تم مشرق یا مغرب کو قبلہ سمجھ کر ان کی طرف منہ کر لو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر روز آخرت پر اور فرشتوں پر اور اللہ کی کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں، اور مال کو عزیز رکھنے کے باوجود اسے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں صرف کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب عہد کریں

تواس کو پورا کریں اور سختی و تکلیف میں اور معرکہ کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں یہی لوگ ہیں جو ایمان میں سچے ہیں اور یہی ہیں جو (اللہ) سے ڈرنے والے ہیں)۔(البقرہ آیت نمبر ۷۷)

اس آیت میں اہم بنیادی اعمال آ گئے، جن کو بجالانا صاحب ایمان فرد کے لئے ضروری ہے، آیت کے آخر میں ایمان کے سچے ہونے کی یہی علامت بتائی گئی کہ ان اعمال کو پختگی سے بجالانے والے ہی صاحب ایمان ہیں اور متقین کی بھی نشاندہی فرمائی گئی کہ وہ ان اعمال پر صدقِ دل سے گامزن ہوتے ہیں۔

(اور اپنے پروردگار کی بخشش اور جنت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے، اور جو اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

(جو ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے) جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں اور اللہ نیکوکاروں سے محبت کرتا ہے۔

(ان لوگوں کی مزید نشاندہی فرمائی جارہی ہے) اور وہ کہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور بُرائی کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں اور اللہ کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے۔

ایسے ہی لوگوں کا صلہ پروردگار کی طرف سے بخشش اور باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے)۔(سورۃ آل عمران آیت ۱۳۳تا۱۳۶)

اعمال کے سلسلے میں یہ آیات بھی کافی جامع ہیں، اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف لپکنا یعنی سست رفتاری کی بجائے دوڑ کر آنا، خوشحالی اور تنگی کے وقت اللہ کی راہ میں ہر ممکن حد تک خرچ کرنے کے حوصلہ اور عزم کا ہونا اور عملاً ایسا کرنا، غصے کے وقت بے قابو نہ ہونا، اس وقت عفو درگزر سے کام لینا، لوگوں کے قصوروں سے صرف نظر کرنا، اگر غلطی سے گناہ ہو جائے تو اس وقت اللہ کو یاد کرنا اور اس سے دل کی گہرائیوں سے بخشش طلب کرنا، گناہوں پر اصرار اور ضد کرنے کی نفسیات کا نہ ہونا، غرض کہ یہ سارے نیک اعمال ہیں، جن کے

کرنے کا حکم فرمایا گیاہے، بندہ مومن ان اعمال پر گامزن ہوتا ہے، بلکہ اس کی زندگی ہی اعمال سے عبارت ہوتی ہے۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔(سورۃ البقرہ آیت ۱۴۱) (وہ ایک امت تھی، جو گزر چکی اسے (وہ) ملے گا جو اس نے کمایا اور تمہیں (وہ) ملے گا جو تم نے کمایا اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں نہ پوچھا جائے گا)۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۸۶)(اللہ تعالیٰ تکلیف نہیں دیتا کسی شخص کو مگر اس کی طاقت کے مطابق اس کو اجر ملے گا جو (نیک عمل) اس نے کیا، اور اس پر وبال ہو گا جو بُرا عمل اس نے کمایا)۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ۔(سورۃ المدثر آیت ۳۸۔۳۹)(ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے، مگر داہنے طرف والے نیک لوگ)۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۔ (سورۃ الزلزال آیت ۷، ۸)(تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر بُرائی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا)۔

یہ نکتہ بیان کرنا ضروری ہے کہ اعمال صالحہ دل کے حالات کی عکاسی کرتے ہیں، جس طرح کا دل ہو گا، اسی طرح کے اعمال ہوں گے، اگر دل اللہ کی محبت سے سرشار ہو گا تو اس طرح کے دل سے اللہ کی رضامندی والے اعمال صادر ہوں گے، لیکن اگر دل نفس کی خواہشات کے زیر اثر ہو گا اور دنیا کی محبت سے بھرا ہو گا تو اس سے ویسے ہی اعمال صادر ہوں گے، اس لئے دل کو بنانے اور اس پر محنت کی سخت ضرورت ہے، دل یقین سے بنتا ہے اور یقین کی حالت ذکر پر محنت سے پختہ ہوتی ہے۔

اس بات کی مزید توضیح کی جائے تو یہ کہا جائے گا کہ اعمال، نفس پر سب سے زیادہ بھاری ہیں، ایمان کی رسمی حالت یا دینداری کی رسمی صورت تو پھر بھی آسان ہے، لیکن پوری زندگی کا اعمال سے مزین ہونا ہمالیہ پہاڑ پر چڑھنے کے مترادف ہیں، نفس اعمال کی طرف کسی صورت آنے کے لئے تیار نہیں، بالخصوص معاملات و معاشرت کی بہتری کے لئے کسی صورت میں راغب ہونے کے لئے تیار نہیں ہے، اس کے لئے محبت کے اجزا کی ضرورت ہوتی ہے، اگر اللہ کی محبت پیدا ہو جائے تو یہ محبت رفتہ رفتہ نفس کی قوتوں پر غالب ہو گی اور خواہشات کی محبت پر غالب ہو گی اور خواہشات کی محبت پر اللہ کی محبت حاوی ہونا شروع ہو گی، جس سے اعمال میں آسانی پیدا ہوتی جائے گی۔

نیکوکاروں کے لئے دنیا و آخرت میں خوشخبری

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ۔(سورۃ النحل آیت ۳۰) (جنہوں نے اچھے کام کئے، ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر بھی (ان کے لئے) بہتر ہے، اور بہت عمدہ ہے پرہیزگاروں کا گھر)۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔(سورۃ النحل آیت ۳۲) (وہ متقی جن کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ خوش ہوتے ہیں اس وقت فرشتے (ان سے) کہتے ہیں کہ سلامتی ہو تم پر اور داخل ہو جاؤ جنت میں، ان (نیک اعمال) کے باعث جو تم کیا کرتے تھے)۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ۔(سورۃ ابراہیم آیت ۲۷) (اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ثابت قدم رکھتا ہے اس پختہ قول کی (برکت) سے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی)۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ۔ (سورۃ المومن آیت ۵۱)(بیشک ہم مدد کرتے ہیں رسولوں کی اور مومنوں کی اس دنیوی زندگی میں بھی اوراس دن بھی مدد کریں گے جس دن گواہ(گواہی دینے کے لئے) کھڑے ہوں گے)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِيٰـؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۔ (سورۃ حم سجدہ آیت ۳۰،۳۱) (بیشک جن لوگوں نے کہااللہ ہمارارب ہے، پھراس پر جم گئے، ان پر فرشتے اترتے ہیں جو ان سے کہتے ہیں، کہ نہ غم کرواور نہ خوف کرو تمہیں جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہم تمہارے ساتھی ہیں، دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی)۔

محب اللہ قاسمی

استقبال رمضان

رمضان المبارک کا استقبال بھی کریں اور اس سے فیضیاب ہونے کا نظم بھی بنائیں۔ یہ ماہ مبارک جلد ہی ہم پر سایہ فگن ہونے والا ہے۔ یقیناً ہمارے دل میں اس ماہ کی بڑی قدر ہے، لیکن کیا ہم اس کے لیے تیاری کرتے ہیں؟ کیا ہم اپنے اہل خانہ کو توجہ دلاتے ہیں کہ وہ بھی اس سلسلے میں تیاری کریں اور غفلت سے کام نہ لیں؟

فطری طور پر انسان کے اندر مفید چیزوں کے حصول کی خواہش ہوتی ہے اور وہ ان کے لیے جدوجہد کرنے کو ضروری سمجھتا ہے۔ اگر اس کے افراد خاندان اس سلسلے میں غفلت برتیں تو انسان انہیں متنبہ کرتا ہے۔ جو چیز جتنی اہم ہوتی ہے، اس کے لیے کوشش بھی اسی درجہ کی کرتا ہے۔ دل ہمہ وقت اس کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ اہم مواقع میں سے ایک ہے، اس میں حاصل ہونے والی ساعتیں رحمت و برکت اور رضاء الٰہی کے حصول کے دروازے کھولتی ہیں۔

یقیناً ہمارے دل میں اس ماہ کی بڑی قدر ہے لیکن کیا ہم اس کے لیے تیاری کرتے ہیں؟ کیا ہم اپنے اہل خانہ کو توجہ دلاتے ہیں کہ وہ بھی اس سلسلے میں تیاری کریں اور غفلت سے کام نہ لیں؟

اللہ کے رسول ﷺ شعبان کے مہینے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو اکٹھا کرتے اور خطبہ دیتے جس میں انہیں رمضان کی آمد کی خوشخبری سناتے۔ رمضان کی فضیلت اور اہمیت کے پیش نظر اس کی تیاری کے سلسلے میں توجہ دلاتے۔ ایسے ہی ایک خطبہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اے لوگو! عنقریب تم پر ایک عظیم الشان ماہ مبارک سایہ فگن ہونے والا ہے۔ اس ماہ مبارک میں ایک رات ایسی بھی ہے جو ہزار راتوں سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کے روزے فرض کئے، اس کے قیام کو اپنی خوشنودی کا ذریعہ قرار دیا، جس شخص نے اس ماہ میں ایک چھوٹا سا بھی کار خیر انجام دیا، اس نے دیگر ماہ کے فرائض کے برابر نیکی حاصل کرلی۔ یہ صبر اور ہمدردی کا مہینہ ہے۔ یہ وہ ماہ مبارک ہے جس میں اللہ اپنے بندون کے رزق میں اضافہ

فرماتا ہے۔ اس ماہ مبارک میں جس نے کسی روزے دار کو افطار کرایا، روزے دار کے ثواب میں کمی کے بغیر اس نے روزے دار کے برابر ثواب حاصل کیا، اور خود کو جہنم سے بچالیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ ہم میں سے ہر شخص تو روزے دار کو افطار کرانے کی استطاعت نہیں رکھتا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے روزے دار کو پانی کا گھونٹ پلایا، یا دودھ کا گھونٹ پلایا، یا ایک کھجور کے ذریعے افطار کرایا، اس کا اجر اسی کے برابر ہے اور اس کے لیے بھی جہنم سے نجات ہے۔" (مشکوٰۃ)

استقبال رمضان کے لیے سب سے پہلے ہم اپنے نفس کو آمادہ کریں اور اس ماہ مبارک میں امور خیر انجام دینے کے لیے عملی اقدام کریں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

(الف) کوئی بھی کام بغیر مشیت الٰہی کے ممکن نہیں، ہمیں اس کے لیے خدا سے توبہ واستغفار کے ساتھ دعا کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ سے منقول دعاؤں کا اہتمام کیا جائے تو یہ احسن عمل ہوگا۔

(ب) توبہ کا اہتمام کیا جائے۔ توبہ میں انسان اپنے رب کی طرف پوری طرح متوجہ ہوتا ہے۔ گناہوں کا جو فاصلہ انسان اور اس کے رب کے درمیان ہوتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ نیک کامون کی طرف رغبت بڑھتی ہے، جو رمضان کی دیگر عبادات میں بھی معین ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "اے مؤمنو تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو، توقع ہے کہ تم فلاح پاجاؤ گے۔" (النور: ۳۱)

توبہ سے متعلق نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو، میں دن میں سو بار توبہ کرتا ہوں۔" (مسلم)

(ج) گزشتہ رمضان کے روزے باقی ہوں تو اسے شعبان کے مہینے میں ہی پورے کرلیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میرے ذمہ رمضان کا کوئی روزہ ہوتا تھا تو میں اسے شعبان میں ہی پورا کرلیتی تھی۔ (متفق علیہ)

(د) رمضان المبارک کی سب سے اہم عبادت روزہ رکھنا ہے، اس لیے اس کی عادت ڈالنے کے لیے شعبان کے مہینے میں وقفے وقفے سے روزہ رکھنا چاہیے، تاکہ پوری طرح نشاط رہے اور اس بات کا احساس رہے کہ آئندہ ماہ کے تمام روزے رکھنے ہیں۔

(ھ) ایک مشہور حدیث ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ جیسی نیت ہوتی ہے، معاملہ اسی اعتبار سے ہوتا ہے۔ اسی طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے کہ

انسان کسی نیک کام کی نیت کرتا ہے تو اس کا عمل اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے۔(مسلم)
اس لیے رمضان المبارک کے تئیں آغاز ہی میں ہم اپنی نیت کو درست کریں اور نیک اعمال کرنے کی نیت کر لیں۔

(د) رمضان المبارک کی خصوصیت ہے کہ اس ماہ مبارک میں نزول قرآن ہوا، اس مناسبت سے عام دنوں کے مقابلے میں لوگ قرآن کو زیادہ پڑھتے ہیں۔ تلاوت ایک عبادت ہے، اس لیے بھی اس ماہ مبارک میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ مگر یہ عمل بھی تیاری چاہتا ہے کہ ہم شعبان کے مہینے سے ہی اپنی یومیہ مسلسل تلاوت شروع کر دیں اور اس بات کی نیت کر لیں کہ رمضان میں ایک بار پورے قرآن کا ترجمہ کے ساتھ اعادہ کرنا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: ''ماہ رمضان جس میں قرآن کریم کا نزول ہوا جو تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے۔'' (البقرہ:۱۸۵)

(ز) ایک کسان جب تک کھیت میں بیج نہیں ڈالے گا، موقع بہ موقع سیراب نہیں کرے گا تو کھیت کے لہلہانے کی توقع فضول ہے۔ ٹھیک یہی حاصل رمضان اور اس کی تیاری کا ہے۔ شیخ ابو بکر البلخیؒ کہتے ہیں:

ماہ رجب کاشتکاری کا مہینہ ہے، ماہ شعبان اس کی سیرابی کا مہینہ ہے اور رمضان کھیت کٹائی کا مہینہ ہے۔ اسی طرح ماہ رجب کو ہوا، شعبان کو غین (ابر) اور رمضان کو بارش سے تعبیر کرتے ہیں جس نے اعمال کی کھیتی کے موسم بہار میں کاشتکاری نہیں کی اور ماہ رجب میں اس کا پودا نہیں لگایا اور شعبان میں اسے سیراب نہیں کیا تو وہ ماہ رمضان میں اعمال کے کھیت کی کٹائی کیسے کر سکتا ہے۔ اگر ماہ رجب گزر گیا ہے تو کم از کم شعبان کے مہینے سے اس کی کوشش کی جائے۔ یہی ہمارے نبی اور اسلاف کا طریقہ رہا۔

ماہ رمضان کا یومیہ پروگرام

یہ ذہن بنائیں کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ وقت عبادات میں صرف کرنا ہے، فرض کے ساتھ ساتھ نوافل کا بھی بکثرت اہتمام کرنا ہے۔ اس کے لیے یومیہ پروگرام ترتیب دیں جس میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھیں:

فجر سے پہلے کے کام: تہجد کا اہتمام: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''بھلا (یہ مشرک بہتر ہے یا) وہ (مومن) جو رات کی گھڑیوں میں سجود اور قیام کی حالت میں عبادت کرنے والا ہے، آخرت سے ڈرتا رہتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے۔'' (الزمر:۹)

سحر گاہی کا اہتمام: نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے ''سحری کا اہتمام کیا کرو کہ اس میں برکت ہے۔'' (متفق علیہ)

فجر کی سنت کا اہتمام: نبی ﷺ نے فرمایا: فجر کی دو رکعت دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ (مسلم)

دعا اور اذکار میں اپنا وقت لگائیں، خاص طور سے اذان اور نماز کے درمیانِ اوقات میں اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اذان اور نماز کے درمیان کے وقت کی دعائیں رد نہیں کی جاتیں۔ (متفق علیہ)

(د) فجر کے بعد سے طلوع شمس تک ذکر اور تلاوت قرآن کے لیے مسجد میں قیام کو لازم پکڑلیں۔ نبی کریم ﷺ فجر کی نماز کے بعد طلوع شمس تک اپنے مصلے پر بیٹھے رہتے تھے۔ ایک جگہ ارشاد ہے: جو شخص فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک اللہ کا ذکر کرتا رہا، پھر دو رکعت نماز ادا کی، اس کا اجر ایک حج اور عمرے کے مانند ہے۔ (ترمذی)

اس دعا کا اہتمام کیجیے کہ اللہ ہمارے دن میں برکت دے۔ (ابوداود)

ظہر کی نماز کی تیاری کرے، فراغت کے بعد بدن کو تھوڑی راحت دے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''سحری کھا کر روزے پر اور قیلولہ (دوپہر کے وقت سونے) کے ذریعے رات کی نماز پر مدد حاصل کرو۔''

عصر کی نماز کی ادائیگی کے بعد مسجد میں وعظ و نصیحت کو سننا چاہیے۔ مغرب کے وقت روزہ کھولنے سے قبل اللہ سے دعا کرے، کیونکہ نبی کریم کا ارشاد ہے کہ تین اوقات ایسے ہیں جن میں مانگی گئی دعا رد نہیں ہوتی، ان میں ایک وقت روزے دار کی دعا افطار کے وقت ہے۔

مغرب کی نماز کی ادائیگی کے بعد اپنے گھر والوں کے درمیان بیٹھے اور ایک مختصر وعظ و نصیحت کی مجلس منعقد کرے۔

پھر عشاء اور تراویح کی نماز کی تیاری میں لگ جائے۔ امام کے ساتھ مکمل تراویح پڑھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے ایمان اور ثواب کی نیت کے ساتھ ماہ رمضان میں قیام (تہجد و تراویح) کیا، اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

اگر صاحب حیثیت ہیں اور خدا نے مال و دولت سے نوازا ہے تو غرباپر مال خرچ کریں اور ان کے افطار کا نظم کریں، کیونکہ یہ عمل پروردگار عالم کو بے حد پسند ہے۔

آصف محمود

غزہ نے تاریخ کا دھارا بدل دیا

جن کا خیال تھا کہ حماس کی مزاحمت کو ختم کر دیا گیا ہے اور اب وہ قصہ ماضی ہے، انہیں خبر ہو کہ اسرائیل کو اسی مزاحمت کے نمائندوں کے ساتھ بیٹھ کر معاہدہ کرنا پڑا ہے اور معاہدہ بھی وہی ہے، جس پر فلسطینی مزاحمت پہلے دن سے رضامند تھی، مگر نیتن یاہو نے جسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

جن کا خیال تھا کہ غزہ اب قصہ پارینہ بن چکا، اور یہاں اسرائیل ساحل کے ساتھ اب اپنی بستیاں آباد کرے گا، ان کو خبر ہو کہ معاہدے کی رو سے غزہ، غزہ والوں کے پاس ہے۔

جن کا خیال تھا کہ شمالی غزہ سے فلسطینیوں کو مکمل طور پر بے دخل کر دیا جائے گا، انہیں خبر ہو کہ شمالی غزہ پر اہل غزہ کا حق تسلیم کروا لیا گیا ہے۔

جن کو یقین تھا کہ فلاڈلفیا اور نیٹسارم کاریڈور اب ہمیشہ کے لیے اسرائیلی فوج کے بوٹوں تلے رہیں گے، انہیں خبر ہو کہ دونوں کاریڈورز سے اسرائیل کو انخلا کرنا ہو گا۔

جن کا خیال تھا مزاحمت کاروں کو یوں کچل دیا جائے گا کہ ان کی نسلیں یاد رکھیں گی وہ اب بیٹھے سر پیٹ رہے ہیں کہ صرف بیت حنون میں اتنے اسرائیلی فوجی مارے گئے، جتنے آج تک کی جنگوں میں نہیں مارے گئے۔

جن کا خیال تھا چند سر پھروں کی مزاحمت کچل دی گئی، انہیں خبر ہو کہ اسرائیل بریگیڈیر عامر اویوی دہائی دے رہا ہے کہ مزاحمت تو آج بھی پوری قوت کے ساتھ موجود ہے، لیکن اسرائیل گھائل ہو چکا، مزاحمت کار تو نئی بھرتیاں کر رہے ہیں، لیکن اسرائیل سے لوگ بھاگ رہے ہیں کہ فوجی سروس نہ لی جائے۔

غزہ میں مزاحمت متحد ہے۔ لوگوں پر قیامت بیت گئی، بچے ٹھٹھر کر مر گئے، قبریں کم پڑ گئیں، لیکن کوئی تقسیم نہیں ہے۔ سب ڈٹ کر کھڑے ہیں، لہو میں ڈوبے ہیں، لیکن خدا کی رحمت سے مایوس نہیں۔ اُدھر اسرائیل ہے، جہاں مایوسی اور فرسٹریشن میں دراڑیں واضح ہیں۔ ہرادی یہودی اسرائیلی حکومت کو سیدھے ہو چکے ہیں کہ ملک تو چھوڑ دیں گے، لیکن لڑائی میں شامل نہیں ہوں گے۔ اسرائیل کا فنانس منسٹر بزالل سموٹرچ دھمکی دے رہا ہے کہ

یہ معاہدہ اسرائیل کی شکست ہے، وہ حکومت سے الگ ہو جائے گا۔ نیشنل سیکیورٹی کا وزیر اتمار بن گویر بھی دہائی دے رہا ہے کہ اس وقت ایسا کوئی معادہ شکست کے مترادف ہے۔ ایرل سیگل چیخ رہا ہے کہ یہ معادہ اسرائیل پر مسلط کیا گیا ہے۔ یوسی یوشع کہتا ہے بہت برا معاہدہ ہوا، لیکن ہم بے بس ہو چکے تھے، اور کیا کرتے۔ مقامی خوف فروشوں سے اب کوئی جا کر پوچھے، حساب سود وزیاں کا گوشوارہ کیا کہتا ہے۔

اسرائیل کے جنگی مبصرین دہائی دے رہے ہیں کہ جس دن امریکہ کمزور پڑ گیا یا اس نے منہ پھیر لیا، اس دن اسرائیل کا کھیل ختم ہو جائے گا۔ اسرائیلی فضائیہ کے افسران گن گن کر بتا رہے ہیں کہ امریکی امداد نہ پہنچتی تو اسرائیل تیسرے ہفتے میں جنگ کے قابل نہ تھا۔ وہ حیران ہیں کہ ایک چھوٹا سا شہر ہے، ہزاروں قتل ہوئے پڑے اور لاکھوں زخمی، دنیا نے منہ موڑ رکھا، کئی ایٹم بموں کے اسلحہ ان پر پھونک دیا گیا، کہیں سے کوئی امداد نہیں ملی، اسلحہ تو دور کی بات ہے انہیں کوئی مسلمان ملک پانی اور خوراک تک نہ دے سکا، لیکن وہ ڈٹے رہے، کیسے ڈ ٹے رہے۔ وہ لڑتے رہے، کیسے لڑتے رہے؟

کچھ وہ تھے جن کی سر قضا کھیل چکی، اور کچھ وہ تھے جو اس کے منتظر تھے، قدم مگر کسی کے نہ لڑکھڑائے۔ ہبریو یونیورسٹی میں قائم عارضی وار روم میں اب پہلی تحقیق اس بات پر ہونے لگی ہے کہ ان حالات میں مزاحمت کیسے قائم رہی؟ حوصلے کیوں نہ ٹوٹے۔ دنیا اب ویت نام کی مزاحمت بھول چکی ہے۔ دنیا آئندہ یہ پڑھا کرے گی کہ غزہ میں ایسی مزاحمت کیسے ممکن ہوئی؟

جس مزاحمت کا نام لینے پر مغرب کے سوشل میڈیا کے کمیونٹی سٹینڈرڈز کو کھانسی، تپ دق، تشنج اور پولیو جیسی مہلک بیماریاں لاحق ہو جاتی تھیں، اتفاق دیکھیے اسی مزاحمت کے ساتھ مذاکرات کرنا پڑے، معاہدے میں اسی مزاحمت کا نام لکھنا پڑا اور عالم یہ ہے کہ امریکی صدر اور نو منتخب امریکی صدر میں کریڈٹ کا جھگڑا چل رہا ہے کہ سہرا کس کے سر باندھا جائے۔

دنیا اپنے فوجیوں کی تحسین کرتی ہے، مگر ادھر خوف کی فضا یہ ہے کہ غزہ میں لڑنے والے اسرائیلی فوجیوں کی شناخت خفیہ رکھنے کا فیصلہ کیا گیا ہے کہ کہیں کسی ملک میں جنگی جرائم میں دھر نہ لیے جائیں۔ ان جنگی مجرموں کے لیے باقاعدہ مشاورتی فرمان جاری ہو رہے ہیں کہ بیرون ملک جائیں تو گرفتاری سے بچنے کے لیے کون کون سے طریقے استعمال کیے جائیں خود

نیتن یاہو کے لیے ممکن نہیں کہ دنیا میں آزادانہ گھوم سکے۔ قانون کی گرفت میں آنے کا خوف دامن گیر ہے۔ یہ فاتح فوج کے ڈھنگ ہیں یا کسی عالمی اچھوت کے نقوش ہیں جو ابھر رہے ہیں؟

ادھر اسرائیل میں بائیڈن کے سفیر جیک لیو کا کہنا ہے کہ اسرائیل نے نہ صرف گلوبل ساؤتھ گنوا دیا ہے، بلکہ مغرب بھی اس کے ہاتھ سے جا رہا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ ہم تو اسرائیل کے ساتھ ہیں، لیکن نئی نسل کچھ اور سوچ رہی ہے اور اگلے بیس تیس سال میں معاملات نئی نسل کے ہاتھ میں ہوں گے۔ جیک لیو کے مطابق بائڈن اس نسل کا آخری صدر تھا، جو اسرائیل کے قیام کے بیانیے کے زیر اثر بڑی ہوئی۔اب بیانیہ بدل رہا ہے۔

نیا بیانیہ کیا ہے؟ نیا بیانیہ یہ ہے کہ امریکہ میں ایک تہائی یہودی ٹین ایجرز فلسطینی مزاحمت کی تائید کر رہے ہیں۔ ۴۲ فیصد ٹین ایجر امریکی یہودیوں کا کہنا ہے کہ اسرائیل نسل کشی کا جرم کر رہا ہے۔ ۶۶ فیصد امریکی ٹین ایجر یہودی فلسطینی عوام سے ہمدردی رکھتے ہیں، کیا یہ کوئی معمولی اعداد و شمار ہیں؟ غزہ نے اپنی لڑائی اپنی مظلومیت اور عزیمت کے امتزاج سے لڑی ہے، ورنہ مسلم ممالک کی بے نیازی تو تھی ہی، مسلمان دانشوروں کی بڑی تعداد نے بھی اپنے فیس بک اکاؤنٹ کی سلامتی کی قیمت پر غزہ کو فراموش کر دیا تھا۔

اسرائیل کا مظلومیت کا جھوٹا بیانیہ تحلیل ہو چکا ہے۔ دنیا کے سب سے مہذب فاتح کی کوزہ گری کرنے والی فقیہان خود معاملہ طفولیت میں ہی صدمے سے گونگے ہو چکے۔ مرعوب مجاورین کا ڈسکورس منہدم ہو چکا ہے۔ان کے جو ممدوح مزاحمت کو ختم کرنے گئے تھے، اسی مزاحمت سے معاہدہ کر کے لوٹ رہے ہیں۔

جدوجہد ابھی طویل ہو گی، اس سفر سے جانے کتنی مزید عزیمتیں لپٹی ہوں، ہاں مگر مزاحمت باقی ہے، باقی رہے گی۔ مزاحمتیں ایسے کب ختم ہوتی ہیں؟

ڈیوڈ ہرسٹ نے کتنی خوبصورت بات کی ہے کہ غزہ نے تاریخ کا دھارا بدل دیا ہے۔

محمد موسیٰ بھٹو

نفس کے روگ اور ان کو سمجھنے کی ضرورت

ہماری زندگی عام طور پر نفس کے روگوں سے عبارت ہے اور ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم اپنی قیمتی زندگی کو نفس کے جذبات کی تسکین میں صرف کر دیتے ہیں، ہم میں سے کوئی انانیت کے مرض میں مبتلا ہو کر، اسی خبط میں توانائیاں صرف کر دیتا ہے تو کوئی خود ثنائی اور جذبہ شہرت کے مرض کا شکار ہو کر زندگی ضایع کر دیتا ہے، کوئی حسد و جلن کی بیماری سے مغلوب ہوتا ہے تو کوئی دوسروں کے تحقیر کے مرض میں۔ اکثر افراد تو ساری باطنی بیماریوں کے مریض ہو کر موت سے ہمکنار ہوتے ہیں، بہت کم افراد ہوتے ہیں جو اپنے اندر میں جھانک کر خود احتسابی کے ذریعے نفس پرستی کی قوتوں کا مقابلہ کر کے زندگی گزارنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

نفس کی خواہشات اتنی طاقتور ہوتی ہیں کہ ان کا مقابلہ کرنا تو دور کی بات ہے، ان کی نوعیت کو سمجھنا ہی دشوار ہوتا ہے، اس لئے کہ خواہشات جب رفتہ رفتہ عادت بن جاتی ہیں تو ان کا ادراک سلب ہو جاتا ہے، اور وہ خوبصورت اعمال کی صورت میں دکھائی دینے لگتی ہیں۔

اس حقیقت کو سمجھنا از حد ضروری ہے کہ انسانی شخصیت میں نفس ہر وقت تہلکہ برپا کرتا رہتا ہے اور اس کی شخصیت کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتا رہتا ہے اور خواہشات کا طوفان شخصیت کو زیروزبر کر دیتا ہے، بالخصوص اہل دولت اور اہل منصب نفس کی واردات کا زیادہ شکار ہوتے ہیں۔

ہماری سیاسی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی، اس میں موجود سارا خلفشار نفس کی قوتوں ہی کا برپا کردہ ہے کہ کوئی خواہشات، مفادات اور جذبہ برتری سے دستبردار ہونے کے لئے تیار

نہیں ہے، نفس کی الوہیت ہر جگہ موجود ہے، جو باہم ایک دوسرے سے ٹکراتی رہتی ہے، جس سے قومی زندگی فساد کا شکار رہتی ہے۔

اپنی الوہیت سے دستبرداری کا کام تزکیہ نفس کے لئے مجاہدوں کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے، اس کی دوسری کوئی صورت نہیں ہے، مجاہدوں میں یہ تاثیر موجود ہے کہ اس سے نفس کی قوت پگھلتی ہے اوراس کی حالت میں تغیر واقع ہوتا ہے، فرد میں انسانیت پیدا ہو جاتی ہے اور دوسروں کی عزت و تکریم کی استعداد بھی۔ اس لئے قرآن میں تزکیہ کے کام کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے اور بزرگان دین کے ہاں تزکیہ یعنی نفس کو سنوارنے کے کام کا خصوصی اہتمام رہا ہے، مجاہدوں سے ایک نئی زندگی ملتی ہے، جس سے روزمرہ زندگی میں نفس کی قوتوں کا مشاہدہ بھی ہونے لگتا ہے توان قوتوں کا زور ٹوٹنے بھی لگتا ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ انسان کی آزمائش کی خاطر اسے نفس کی قوت دی گئی ہے، نفس کی بہیمت کے زور کو توڑ کر اسے اللہ اوراس کے رسول کی کامل اطاعت میں دنیا، یہ مقصود زندگی قرار پایا ہے۔ اس مقصود سے اعراض کرنا دنیا و آخرت میں رسوائی کا ذریعہ ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے علم ایک ذریعے کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن محض علم کافی نہیں ہے، اس کے ساتھ ساتھ نفس کی قوت سے اللہ کی الوہیت کو منوانے کے لئے غیر معمولی مجاہدوں کی بھی ضرورت ہے۔

نفس آسانی سے قابو میں نہیں آتا، دیکھا گیا ہے کہ جو صاحبان علم مجاہدوں سے بے نیاز ہیں وہ حب جاہ وحب مال وخود ثنائی کے مرض میں مبتلا ہو کر قیمتی زندگی نفس پرستی کی قوتوں میں صرف کرتے رہے ہیں۔

مجاہدوں سے جہاں اللہ کے قرب کا مقام حاصل ہوتا ہے، وہاں باطن میں موجود خفتہ صلاحیتیں بھی بیدار ہوتی ہیں، جو بصیرت وفراست کا ذریعہ بنتی ہیں، ساتھ ساتھ فرد اپنے نفس

کے حالات کی روشنی میں دوسرے افراد کے نفس کے سارے مدو جزر سے آشنا ہو کر، ان کی تربیت کے لئے بہتر کردار ادا کرنے کی صلاحیتوں کا حامل ہوتا ہے۔

یہ مجاہدے ہی ہیں جس سے اسلام کا مطلوب انسان تیار ہوتا ہے، اللہ نے اپنے ذکر کے مجاہدوں میں وہ خاصیت رکھی ہے کہ اس سے ساری زندگی اور زندگی کے سارے پہلو از خود بدل کر پاکیزہ خطوط پر استوار ہونے لگتے ہیں، مجاہدوں کی اس قدر اہمیت کے باوجود اس سے غفلت اور اعراض کی روش ہمارا سب سے بڑا المیہ ہے، اسی سے دوسرے سارے المیوں نے جنم لیا ہے، مزاجوں میں سختی اور قساوت قلبی کا روگ بھی اسی سے پیدا ہوتا ہے۔

نفس کی قوتوں کو سمجھکر ان کے علاج سے ہی ہم ایسا معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں، جس میں ہر ایک کی عزت و تکریم کی صورت پیدا ہو سکتی ہے اور ایک دوسرے سے محبت اور خیر سگالی کے جذبات بھی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ آخرت میں نجات کی بھی یہی صورت ہے۔

محمد موسیٰ بھٹو

لفظوں اور بے وفائیوں کا زخم

معاشرے کے ایک روگ کا جائزہ

کسی بزرگ کا مقولہ ہے کہ لفظوں اور بے وفائیوں کے زخم بھولنے کا فن یا تو پاگل کو آتا ہے یا کامل کو اس جملے میں بڑی اہم حقیقت بیان فرمائی گئی ہے، فرد اپنی روزمرہ زندگی میں مزاج کے خلاف مختلف باتیں سنتا ہے اور دوستوں، ساتھیوں اور عزیز واقارب کے نازیبا رویے کا اسے سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ وہ غم زدہ ہو جاتا ہے، بلکہ غم کی تصویر بن جاتا ہے، یہی نہیں، بلکہ لوگوں سے اس کے معاشرتی تعلقات بگڑنے لگتے ہیں، اس طرح معاشرہ خلفشار کا شکار ہونے لگتا ہے، اس سے نفسیاتی بیماریاں بھی جنم لیتی ہیں، لیکن ایسا فرد جس پر اللہ کی محبت غالب ہوتی ہے، جو تزکیہ کے مراحل سے گذرتا ہے، اس کی حالت اس سے بالکل مختلف ہوتی ہے، اس میں اتنی روحانی قوت موجود ہوتی ہے کہ وہ افراد معاشرہ اور دوست واحباب کے اس طرح کے رویے اور ان کی بے وفائیوں کا نہ صرف یہ کہ منفی تاثر نہیں لیتا، بلکہ ان کے اس رویے کے جواب میں وہ ان سے مزید محبت کرنے لگتا ہے اور ان سے غیریت کا ذرہ بھر بھی تاثر ہونے نہیں دیتا۔

یہ تزکیہ اور اللہ کی محبت کی خصوصیات میں شامل ہے کہ اس سے فرد قوی ہو جاتا ہے اور مادی نوعیت کے اثرات سے مزاحمت کی اس کی صلاحیت میں اضافہ ہو جاتا ہے، ایسا فرد ہی معاشرہ کا قیمتی فرد ہوتا ہے، جو اپنے طاقتور کردار و عمل سے معاشرے کو مستحکم رکھنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے، اور اپنے رویے سے لوگوں کو یہ سبق دیتا ہے کہ زخم کھا کر بھی ان زخموں کا

تاثر نہ لینا بلکہ زخم دینے والوں کے لئے الٹا دعا کرنا یہی انسانیت اور سلیقہ انسانیت ہے، اس سلیقے سے آشنا ہونا ہم سب کے لئے ضروری ہے۔

ہماری نوجوان نسل اس اعتبار سے انتہائی قابل رحم ہے کہ اس میں برداشت کا مادہ باقی نہ رہا ہے، تعلقات کا بگڑنا معمول بن گیا ہے، تربیت اور تزکیہ کے نظام کے نہ ہونے کی وجہ سے حسد و جلن اور ایک دوسرے کو گرانے اور انتقام کے جذبات میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے افراد کی زندگی زہر سے عبارت ہو گئی ہے، ضرورت ہے کہ ہم اپنے اندر میں ڈوبتے رہنے کا فن سیکھیں، اس سے خود احتسابی کا ملکہ حاصل ہوگا، قوت برداشت پیدا ہو گی اپنے مخالف افراد سے بھی تعلقات میں خوشگواری پیدا ہو گی۔

پاکیزہ تربیت، تزکیہ اور اللہ کی محبت کے بغیر افراد کو سخت سزا ملتی ہے، وہ سزا حسد و جلن میں کڑھتے رہنا اور خیالات کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے پھرنا ہے، آیئے عہد کریں کہ ہم نفس کی قوت کو قابو میں رکھنے اور اللہ سے اپنے تعلق کو مستحکم کرنے کی راہ اختیار کریں گے۔

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

شامی انقلاب، ماضی، حال اور مستقبل

بلادِ شام(The Levant) جسے احادیث نبویہ میں 'شام' کہا گیا ہے، دین اسلام کی تعلیمات کے مطابق ایک بابرکت اور مقدس سرزمین ہے۔ احادیث مبارکہ میں جس خطہ ارضی کو 'شام' کہا گیا ہے، اس کی جغرافیائی حدود اُس مملکت سے بہت وسیع ہیں کہ جسے معاصر دنیا 'شام'(Syria) کے نام جانتی ہے۔ معاصر شام ۱۹۴۶ء میں فرانس کے قبضے سے آزاد ہونے کے بعد دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا۔ اس سے پہلے شام کے نام سے موجود خطہ ارضی میں فلسطین، حالیہ اسرائیل، موجودہ شام، اردن، لبنان، سائپرس اور ترکی کا ایک صوبہ شامل تھا۔

بلادِ شام کی فضیلت اور قربِ قیامت میں اہمیت

کافی ساری روایات میں بلادِ شام کی فضیلت مروی ہے، چند ایک یہاں تحریر کی جاتی ہیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''ہم ایک دن آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ شام کے لیے خوشخبری ہو، شام کے لیے خوشخبری ہو۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کس وجہ سے خوشخبری؟ تو آپ نے فرمایا: رحمان کے فرشتوں نے اپنے پَر شام پر پھیلائے ہوئے ہیں۔''

امام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ اس دنیا کی ابتداء میں مکہ المکرمہ کو جو اہمیت حاصل رہی ہے، انتہاء میں وہی اہمیت بلادِ شام کی معلوم ہوتی ہے۔ یہی اس دنیا کا مبدا و معاد ہے۔ اس دنیا کی ابتداء اللہ کے گھر بیت اللہ سے ہوئی۔ آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت

ابراہیم علیہ السلام تک اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک دین اور اہل دین کا مرکز بیت اللہ ہی رہا ہے۔ لیکن قرب قیامت میں دین اور اہل دین کا مرکز بلادِ شام بن جائے گا، جیسا کہ احادیث میں علامات قیامت کے باب میں دو مقامات کا ذکر کثرت سے ملتا ہے، دمشق اور بیت المقدس۔ بعض روایات میں کچھ دیگر مقامات کا بھی ذکر ہے، لیکن وہ بھی حالیہ شام ہی کے علاقے ہیں۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اس دوران کہ میں سو رہا تھا، میرے پاس فرشتے آئے۔ انہوں نے کتاب کا عمود میرے تکیے کے نیچے سے نکالا اور شام کا قصد کیا۔ خبردار! فتنوں کے زمانوں میں ایمان شام میں ہو گا۔''

عراق میں شیعہ سنی تقسیم اور شیعہ اکثریت کی وجوہات

عراق میں اس وقت شیعہ اکثریت میں ہیں۔ عراق کی تاریخ میں سنیوں کی اکثریت رہی ہے، لیکن انیسویں صدی کے نصف آخر میں عثمانیوں نے عراق کی زرعی پالیسی میں ایسی اصلاحات کیں کہ اس کے نتیجے میں بڑی تعداد میں سنی عرب قبائل، بدظن ہوئے۔ ان حالات میں نجف اور کربلا میں بڑی تعداد میں ایرانی شیعہ علماء موجود تھے کہ جنھوں نے اس موقعے کا فائدہ اٹھایا اور سنیوں کو شیعیت میں داخل کیا۔ یوں عراق میں شیعہ کی اکثریت ہو گئی۔ ایک اندازے کے مطابق فی الحال عراق میں شیعہ کی تعداد ۶۰ فیصد ہے۔ اس وقت عراق میں شیعہ، سنی اور کرد اتحادیوں کی حکومت ہے کہ جسے شیعہ ہی لیڈ کر رہے ہیں۔ دوسری طرف شام میں علوی شیعہ ۱۰ فیصد اور بقیہ شیعہ فرقے کل آبادی کا ۳ فیصد ہے۔ اس اعتبار سے شام سنی اکثریت کا ملک ہے اور موجودہ انقلاب کے نتیجے میں سنیوں ہی کی حکومت قائم ہو گئی ہے۔ یمن میں بھی زیدی شیعہ ۳۵ فیصد ہیں جبکہ سنی اکثریت میں ہیں، لہٰذا ایک اعتبار سے وہ فی الحال سنی معاشرہ ہی ہے البتہ حکومت زیدی شیعہ کے پاس ہے۔

عراقی و شامی جہادی تحریکوں کے لیے نبوی ہدایت

رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے کہ قرب قیامت میں مسلمان تین لشکروں میں بٹ جائیں گے، عراقی، شامی اور یمنی۔ آپ ﷺ نے ان تینوں میں سے شامی لشکر کی تعریف کی اور اس کے ساتھ رہنے کی ہدایت فرمائی۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو یمن میں کنارہ کشی کی زندگی اختیار کرنے کی تاکید کی۔ عربوں میں جب پھوٹ پڑے گی تو وہ تین حصوں میں بٹ جائیں گے یعنی ان میں سے جو فعال، تحریکی اور جہادی ہوں گے، ان کی بات ہو رہی ہے۔ جو غیر فعال ہوتے ہیں تو ان کی اہمیت تو نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ فعال، تحریکی اور جہادی وہ ہوتے ہیں جو اپنے نظریے کی بالادستی کی جنگ لڑ رہے ہوں یا جہاد و قتال میں مصروف عمل ہوں۔ جو عرب اقوام محض اپنی دنیا بنانے میں مگن ہوں تو ان کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے۔ بظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قرب قیامت میں تین عرب اقوام نظریاتی بنیادوں پر دنیا کا نقشہ تبدیل کرنے کی کوشش کریں گی، ان میں سے اہل شام کا ساتھ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ ابن حوالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"تمہارے دین کا معاملہ یہ ہو گا کہ تم لشکروں کی صورت میں بٹ جاؤ گے۔ ایک لشکر شام میں، دوسرا عراق میں اور تیسرا یمن میں ہو گا۔ ابن حوالہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر میں اس زمانے کو پالوں تو مجھے اس بارے میں کوئی وصیت فرمادیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شام کو پکڑ لے کیونکہ وہ اللہ کی زمینوں میں سے بہترین سرزمین ہے۔ اللہ کے بہترین بندے اس کی طرف کھچے چلے جائیں گے۔ پس اگر تمہارا ذہن شامی لشکر کا ساتھ دینے پر مطمئن نہ ہو تو یمن کی طرف چلے جانا اور صرف اپنے گھاٹ سے پانی پینا۔ اللہ عزوجل نے میرا اکرام کرتے ہوئے شام اور اہل شام کی ذمہ داری لے لی ہے۔"

ان حالات میں آپ حدیث سے یہ رہنمائی لے سکتے ہیں کہ عرب و عجم کی جہادی تحریکوں کے لیے شامی سنیوں کی حمایت بہترین آپشن ہے۔ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت میں مروی ہے:

”قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ عراق کے بہترین لوگ شام نہ چلے جائیں اور شام کے بدترین لوگ عراق نہ چلے جائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ان حالات میں تم شام کو اپنا مسکن بناؤ۔“

روایت کی سند میں اختلاف ہے۔ بعض اہل علم نے اسے ”ضعیف“ اور بعض نے ”صحیح“ کہا ہے۔اگر روایت صحیح ہو تو بعض تجزیہ نگاروں کے نزدیک اس کا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ شام میں سنی انقلاب کے بعد یہاں کے شیعہ عراق بھاگ جائیں اور عراق میں شیعہ حکومت کی سختیوں کے سبب وہاں کے سنی شام آجائیں۔

یمنی جہادی تحریکوں کے لیے نبوی ہدایت

مذکورہ بالا روایت کی روشنی میں یمنی جہادی تحریکوں کے لیے یمن میں الگ تھلگ ہو کر زندگی گزارنا دوسری معقول آپشن ہے۔یمن میں اگرچہ شیعہ حکومت ہے، لیکن اسرائیل اور امریکہ مخالف ہے۔اور انہوں نے غزہ کی حمایت میں بحیرہ احمر کی آبی گزرگاہوں میں ان کے بحری جہازوں پر حملے بھی کیے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”قیامت سے پہلے حضرموت یعنی یمن میں ایک جگہ سے آگ نکلے گی جو لوگوں کو ایک جگہ جمع کر دے گی۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ان حالات میں ہم کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ شام کو اپنا مسکن بنالینا۔“

یمن کی آگ سے کیا مراد ہے، کیا یہ کوئی حقیقی آگ ہوگی یا اس سے مراد استعارہ ہے۔ اس بارے دونوں آراء کی گنجائش موجود ہے۔اگر تو اس سے حقیقت مراد ہو تو پھر یہ قیامت

کے انتہائی قریب کی کوئی علامت ہے کہ جس کے فی الحال ظہور کے امکانات نظر نہیں آرہے۔اور اگر اس سے مجاز اور استعارہ یعنی جنگ کی آگ مراد ہو تو اس کا یہ معنی ہو سکتا ہے کہ اگر یمن کی جنگ عرب دنیا کے ایک بڑے حصے کو اپنی لپیٹ میں لے لے تو اس وقت میں عربوں کو چاہیے کہ شام کو اپنا تحریکی اور جہادی جدوجہد کا مرکز بنالیں یعنی جس کے لیے ممکن ہو تو وہ شام چلا جائے اور جس کے لیے یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم شام اور اہل شام کی حمایت جاری رکھے۔

الملحمۃ العظمی، بلادِ شام اور نبوی رہنمائی

احادیث مبارکہ میں قربِ قیامت میں ایک بہت بڑی جنگ کا ذکر ملتا ہے کہ جسے تیسری جنگ عظیم کا نام دیا جا سکتا ہے۔ احادیث میں واضح طور موجود ہے کہ اس جنگ عظیم کے دوران مسلمانوں کا مرکز شام ہو گا، لہٰذا ان حالات میں تمام دنیا کے مسلمانوں کو چاہیے کہ کفار کے بالمقابل جہاد کرنے والے شامی لشکر کی معاونت کریں۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''جب جنگ عظیم ہو گی تو اس دن مسلمانوں کا مرکز دمشق کا قریبی شہر غوطہ ہو گا اور دمشق شام کا بہترین شہر ہے۔''

اس جنگ عظیم کو احادیث مبارکہ میں ''الملحمۃ العظمی'' جبکہ انجیل مقدس میں آرمیگیڈون (Armageddon) کہا گیا ہے۔ یہ جنگ عظیم کب ہو گی تو بعض دوسری روایت میں اشارہ ہے کہ خروج دجال کے ساتھ ہی ہو گی۔ سنن ابی داود کی روایت میں ہے:

''بیت المقدس کی آبادی کے ساتھ مدینہ ویران ہو جائے گا۔ مدینہ کی ویرانی کے بعد جنگ عظیم ہو گی، اور جنگ عظیم کے نتیجے میں قسطنطنیہ فتح ہو گا۔اس کے بعد دجال کا خروج ہو گا۔''

اس کا مطلب ہے کہ ابھی غوطہ شہر کے مسلمانوں کے مرکز ہونے کا موقع نہیں آیا کہ دنیا اس وقت جنگ عظیم میں نہیں ہے۔ اگرچہ ۲۰۱۳ء میں بشار الاسد کی حکومت نے غوطہ میں کیمیکل ہتھیاروں سے حملے کیے تھے کہ جن پر پوری دنیا میں اسے شدید تنقید کا نشانہ گیا تھا لیکن حدیث سے مراد وہ والے حملے نہیں تھے، واللہ اعلم۔

طائفہ منصورہ، نزول عیسی اور شام

اس امت کے دو گروہ ایسے ہیں کہ جن سے اللہ کی مدد کا وعدہ ہے۔ ایک تو نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام اور دوسرا بلادِ شام کے اہل علم و عمل۔ نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"عیسی ابن مریم علیہ السلام کا نزول دمشق کے مشرق میں سفید منارے کے پاس ہو گا۔ وہ دجال کو باب لد کے پاس قتل کریں گے۔"

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسی ابن مریم علیہ السلام کا نزول بھی مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ کی بجائے دمشق میں ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خیر و شر کا آخری معرکہ شام میں ہی لگے گا اور یہ شام ہی کی سرزمین ہو گی جو حق و باطل میں فرق کر کے اس کو چھانٹ کر رکھ دے گی۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ نے فرمایا:

"میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا یہاں تک قیامت قائم ہو جائے۔ پھر فرمایا کہ عیسی ابن مریم علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو ان کا امیر کہے گا کہ آپ آگے بڑھ کر ہمیں نماز پڑھائیں۔ تو عیسی ابن مریم علیہ السلام فرمائیں گے کہ نہیں، تم میں سے بعض بعض پر امیر ہے، یہ اللہ عزوجل کی طرف سے اس امت کی عزت افزائی ہو گی۔"

اس روایت سے یہی معلوم ہوا کہ اہل حق بلادِ شام میں سمٹ جائیں گے اور غلبہ اسلام کی آخری عظیم جنگ لڑیں گے۔ پس کفر واسلام کی جنگ میں شام کے مسلمانوں کی علمی و عملی حمایت ایک دینی فریضہ ہے۔

نصیری فرقے کی تاریخ اور عقائد

عباسی دراصل اہل بیت کے نام پر اور شیعوں کے تعاون سے بنو امیہ پر غالب آئے تھے اور ان سے حکومت چھیننے میں کامیاب ہوئے تھے، لہٰذا ان کے دور میں شیعہ بہت زیادہ طاقتور ہو گئے تھے، حکومت میں ان کا اثر رسوخ بہت بڑھ گیا اور اسی دور میں شیعوں میں بہت سارے باطنی فرقوں کا ظہور ہوا۔ سب سے پہلے ۲۶۱ھ میں ''قرامطہ'' ظاہر ہوئے، ۲۶۸ھ میں ''اسماعیلیہ'' ظاہر ہوئے، اسی زمانے میں نصیریہ فرقہ بھی وجود میں آیا۔

نصیریہ کی بنیاد محمد بن نصیر النمیری متوفی ۲۷۰ھ نے رکھی تھی کہ جس کا تعلق اثنا عشریہ شیعہ فرقے سے تھا۔ اس کا گمان یہ تھا کہ وہ اہل تشیع کے بارہویں امام اور مہدی منتظر محمد بن الحسن العسکری کا دروازہ ہے۔ اہل سنت کی ایک بڑی تعداد کے نزدیک اہل تشیع کے بارہویں امام کا وجود ہے ہی نہیں۔ بہر حال امامیہ شیعہ نے اس کے اس دعوے کو قبول نہ کیا اور اسے جھوٹا اور کذاب قرار دیا۔ اس کے پیروکاروں کا نام نصیریہ پڑ گیا۔ نصیریہ اور اثنا عشریہ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اثنا عشریہ محمد بن نصیر النمیری کو جھوٹا اور کذاب قرار دیتے ہیں اور عثمان بن سعید العمری کو بارہویں امام کا سفیر اور نائب قرار دیتے ہیں۔

واضح رہے کہ اہل تشیع کے ہاں ان کے بارہویں امام کی غیبوبت دو طرح کی ہے، صغری اور کبری۔ غیبوبت صغری میں امام صاحب اپنے چاہنے والوں سے نائبین کے واسطے سے رابطے میں رہے۔ ان نائبین کی تعداد چار ہے جو کہ یکے بعد دیگرے آئے۔ لیکن جن لوگوں نے بارہویں امام کی نیابت اور سفارت کا دعویٰ کیا ہے، وہ بیسیوں ہیں۔ ان میں سے اکثر کو شیعہ کے

ہاں جھوٹااور کذاب قرار دیا جاتا ہے کہ جنہوں نے اپنی حیثیت اور مقام بنانے کی خاطر امام پر جھوٹ بولا۔

سعد بن عبداللہ القمی نصیری فرقے کی ابتداءاور نظریات کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’وقالت بنبوة رجل يقال لہ محمد بن نصير النميری كان يدعی انہ نبی رسول، وان علی بن محمد العسكری ارسلہ وكان يقول بالتناسخ، ويغلو فی ابی الحسن ويقول فيہ بالربوبية ويقول باباحة المحارم ويحلل نكاح الرجل بعضهم بعضا فی ادبارهم، ويزعم ان ذالک من التواضع والاحسان والتذلل فی المفعول بہ، وانہ من الفاعل والمفعول بہ احدی الشهوات والطيبات، وان الله لم يحرم شيئا من ذالک۔‘‘

’’محمد بن نصیر النمیری کا دعوی تھا کہ وہ نبی رسول ہے اور امام علی بن محمد العسکری نے اسے رسالت کے درجے پر فائز کیا ہے۔ محمد بن نصیر النمیری تناسخ ارواح کا قائل تھااور امام محمد نقی عسکری کے بارے میں غلو کا شکار تھا۔ وہ انہیں ربوبیت کے درجے پر فائز کرتا تھا۔ اس کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ محرم عورتوں سے نکاح جائز ہے، اور مرد کا مرد سے بھی نکاح جائز ہے۔ اس کا گمان تھا کہ مفعول بہ کے لیے اس میں تواضع، احسان اور عاجزی کے درجات ہیں جبکہ فاعل اور مفعول کے لیے یہ ایسی خواہش اور پاکیزہ چیز ہے کہ جسے اللہ عزوجل نے کسی طور حرام نہیں ٹھہرایا ہے۔‘‘

اس فرقے کے عقائد کے بارے ان معلومات کا اظہار شیعہ عالم اور متکلم الحسن بن موسی النوبختی نے بھی کیا ہے۔ نوبختی کی وفات کے بارے میں شیعہ رجال میں معروف قول یہی ہے کہ وہ ۳۰۱ھ سے ۳۱۰ھ کے مابین فوت ہوئے۔ یہ دونوں شیعہ علماء نصیری فرقے کے بانی ابوشعیب محمد بن نصیر النمیری کے معاصرین میں سے ہیں کیونکہ محمد بن نصیر کی وفات ۲۷۰ھ میں ہوئی تھی۔

شام میں نصیریوں کے عروج وزوال کی داستان

نصیریہ غالی شیعوں پر مشتمل تیسری صدی ہجری کی ایک باطنی تحریک تھی کہ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الوہیت کے درجے پر فائز کیا۔ شام پر فرانسیسی قبضے کے بعد انہیں علویوں کا نام دیا گیا تاکہ ان کے ماضی پر پردہ ڈالا جاسکے۔ فرانسیسیوں نے غالب سنی

اکثریت کو کنڑول کرنے کے لیے مقامی علوی اقلیت کو خوب نوازا کہ جس کے سبب شام کی سیاست میں ان کا کردار نمایاں ہوا۔

دراصل شام کا علاقہ ۱۵۱۶ء سے لے کر ۱۹۱۸ء تک تقریبا چار سو سال تک سلطنت عثمانیہ کے پاس رہا۔ ۱۹۲۰ء میں خلافت عثمانیہ کے ختم ہونے پر یہ علاقہ فرانس کی عمل داری میں دے دیا گیا اور فرانس کی عملداری یہاں ۱۹۴۶ء تک رہی۔ فرانس نے شام کو چھ ریاستوں میں تقسیم کر دیا تھا اور اس میں ایک ریاست کا نام ''علوی ریاست'' تھا۔ اس طرح فرانسیسیوں نے سنی اکثریت کو کنڑول کرنے کے لیے علوی اقلیت کو نوازا۔ نصیری چونکہ اقلیت میں تھے اور وہاں کے مسلمان انہیں کافر سمجھتے اور ان سے نفرت کرتے تھے، تو فرانسیسیوں نے انہیں معاشرے میں قابل قبول بنانے کے لیے ''علویون'' کا نام دیا۔ اس طرح فرانس کے تعاون سے یہ گروہ طاقتور ہو گیا، اور حکومتی مشینری خصوصا فوج میں ان کی اچھی خاصی تعداد ہو گئی۔

۱۹۴۶ء میں شام کو فرانس سے آزادی ملی۔ لیکن یہاں پر کوئی مستحکم حکومت نہ بن سکی۔ ۱۹۴۶ء سے ۱۹۷۰ء تک پے در پے حکومتیں بدلتی رہیں۔ بعض حکومتیں محض چند ماہ ہی قائم رہ سکیں کیونکہ مخالف پارٹی، فوج میں اپنے موجود حامی گروپ کے ساتھ مل کر حکومت کا تختہ الٹ دیتیں اور چند ماہ بعد دوسرا گروپ اپنے حامی گروپ کی مدد سے اس کا چلتا کرتا۔ ۱۹۶۶ء میں ایسی ہی ایک بغاوت کے نتیجے میں بننے والی حکومت میں ایک فوجی جرنل حافظ الاسد جو نصیری فرقے سے تعلق رکھتا ہے وزیر دفاع بن جاتا ہے۔ ٹھیک چار سال بعد ۱۹۷۰ء میں وزیر دفاع نے اپنی ہی حکومت کے خلاف بغاوت کی اور حکومت کو گرا کر خود صدر بن گیا۔ پورے ملک میں حافظ الاسد کے خلاف ہنگامے شروع ہو جاتے ہیں کہ ملکی صدر کے لیے مسلمان ہونا آئینی شرط ہے جبکہ حافظ الاسد مسلمان نہیں ہے۔ شامی فوج جبر و ظلم سے ان ہنگاموں کو دبا دیتی ہے۔

۱۹۸۰ء میں ایران میں خمینی انقلاب کے نتیجے میں سنی اور شام کے الاخوان المسلمون کے اکثریتی علاقوں حلب، حمص اور حماۃ میں ہنگامے شروع ہو جاتے ہیں، لیکن ان کو فوج کے ذریعے تشدد سے دبا دیا جاتا ہے۔ ۱۹۸۰ء کی ایران ۔ عراق جنگ میں شام، ایران کا ساتھ دیتا ہے۔ ۱۹۸۲ء میں الاخوان المسلمون کی شامی شاخ حماۃ کے علاقے میں حکومت کے خلاف مظاہرے کرتی ہے تو اس کو دبانے کے لیے ہزاروں لوگ قتل کر دیے جاتے ہیں۔ ۲۰۰۰ء میں حافظ الاسد ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ اس کا بیٹا بشار الاسد صدر بنا دیا جاتا ہے۔ بشار الاسد کی عمر ۳۴ برس ہوتی ہے تو اس کو اقتدار میں لانے کے لیے آئین میں تبدیلی کی جاتی ہے کیونکہ آئین کے مطابق صدر کی عمر چالیس برس ہونا ضروری تھا۔

نصیریوں کا اہل سنت پر ظلم و تشدد

نصیریوں نے ۱۹۸۰ء میں دمشق میں صیدنایا کے نام سے ایک جیل قائم کی تھی کہ جسے ٹارچر سیل کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس جیل میں سیاسی قیدیوں کو مار پیٹ کی جاتی، بھوکا رکھا جاتا، چاقو مارے جاتے، ہڈیاں توڑی جاتیں، بجلی کا کرنٹ لگایا جاتا، سیل میں رفع حاجت کرنے پر مجبور کیا جاتا، بے ہوش ہونے تک مار پیٹ کی جاتی، ریپ کیا جاتا، انگلیاں کاٹ دی جاتیں، قتل کر دیا جاتا وغیرہ وغیرہ۔ صیدنایا جیل کی تصاویر اور ویڈیوز سوشل میڈیا پر وائرل ہو رہی ہیں۔ عرب اور مغربی میڈیا کی طرف سے اس جیل کو موت کا کیمپ قرار دیا گیا ہے کہ جہاں لاکھوں کی تعداد میں سیاسی قیدیوں کو تشدد کر کے قتل کیا گیا۔ ایمنیسٹی انٹرنیشنل کے مطابق یہ جیل انسانوں کا مذبح خانہ یعنی سلاٹر ہاؤس ہے۔ بی بی سی، الجزیرہ، اقوام متحدہ اور بین الاقوامی میڈیا ویڈیوز کو کوریج دے رہا ہے۔ یہ جیل دراصل عراق میں امریکی ابو غریب جیل گوانتاناموبے جیل اور جرمنی میں نازیوں کی جیلوں کی ایک کڑی اور مثال ہے۔ ایک ویڈیو وائرل ہے کہ شامی پائلٹ راغید الطیاری کو ۱۹۸۲ء میں قید کیا گیا تھا اور ۴۳ برس قید رکھا گیا تھا کہ انہوں نے حماۃ کے نہتے عوام پر بمباری کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ۲۰۱۱ء سے ۲۰۱۸ء

تک تقریباً تیس ہزار افراد اس جیل میں تشدد کر کے مار دیے گئے۔ ایسی کئی اور بھی جیلیں موجود ہیں۔

نصیری حکومت کے خاتمے کے اسباب

۲۰۱۱ء میں عرب بہار کے نتیجے میں شام بھی متاثر ہوتا ہے اور آمریت کے خلاف ایک بار پھر مظاہرے شروع ہو گئے۔ جمہوریت کے حق میں مظاہروں کی وجہ سے پانچ لاکھ لوگ مارے گئے۔ یہاں سے شامی سنی انقلاب کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔

نصیریوں کی حکومت چونکہ ایران، لبنان کی حزب اللہ اور روس کے تعاون اور ان کی پشت پناہی کے سبب زبردست ظلم و ستم کی بنیاد پر قائم تھی۔ اکتوبر ۲۰۲۴ء میں جب اسرائیل نے غزہ پر حملہ کیا، اور تقریباً پندرہ ماہ تک چلتی رہی ہے، اس دوران اسرائیل نے لبنان کی شیعہ تنظیم حزب اللہ کی بنیادی قیادت ختم کر دی۔ ایران کے ساتھ بھی اس کی شیڈو وار چل رہی ہے کہ جس کے نتیجے میں اس کے کئی ایک سیاستدان اور جرنیل کام آچکے ہیں جس سے ایران، اسرائیل کے دباؤ میں ہے۔ ان حالات میں ایران کے لیے شام میں نصیری حکومت کی مدد کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔

نصیریوں کا تیسرا بڑا حمایتی روس تھا کہ جو وہاں اپنے جنگی جہازوں سے بمباری بھی کرتا تھا۔ وہ بھی بری طرح یوکرین کی جنگ میں پھنس چکا ہے۔ اب وہ نہ اس سے نگلی جا رہی ہے اور نہ ہی اگلی جا رہی ہے۔ امریکی، برطانوی اور یوکرین کے ذرائع کے مطابق اس جنگ میں ابھی تک روس کے ساڑھے سات لاکھ فوجی مارے جا چکے ہیں۔

قلیل ترین وقت میں اس قدر عظیم فتح کے اسباب و عوامل پر لوگ مختلف تبصرے کر رہے ہیں، ہمارے نزدیک اصل سبب تو اللہ کی مدد اور نصرت ہی معلوم ہوتی ہے۔ البتہ کچھ تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ اس میں ترکی کا کردار اہم ہے۔ ہماری نظر میں وہ کردار ثانوی ہے کہ ترکی کی حمایت تو پہلے سے ہی تھی۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ شام میں نصیری حکومت کے

اتحادی مثلا لبنان، ایران اور روس کا اپنی جنگوں میں الجھ جانا اور بشار الاسد کی مدد نہ کر پانے کے سبب، نصیریوں سے اکیلے اس جنگ کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں ہو پایا کہ پہلے بھی وہ انہی کے سہارے ہی یہ جنگ لڑ رہے تھے۔ صورت حال یہ ہے کہ لبنان اس وقت اسرائیل کے ساتھ حالت جنگ میں ہے اور شیعہ جماعت حزب اللہ کی تقریبا تمام بڑی قیادت ماری جاچکی ہے۔

شامی انقلاب اور ہیئۃ تحریر الشام

عالمی حالات جب نصیری حکومت کے خلاف ہوئے اور وہ خارجی تعاون سے محروم ہوگئی تو وہاں کے مجاہدین نے اس موقع کو غنیمت جانا اور جہادی تنظیموں کے اتحاد (ھیئتہ تحریر الشام) نے نومبر ۲۰۲۴ء میں غاصب حکومت کے خلاف اقدام شروع کر دیا اور دو ہفتوں سے بھی کم عرصے میں اس کا تختہ الٹ دیا۔

جب مجاہدین نے باضابطہ طور دمشق کی فتح کا اعلان کر دیا تو ان کے سربراہ ابو محمد الجولانی نے کمال دانشمندی سے کام لیتے ہوئے اعلان کیا کہ ملکی نظم ونسق کو فی الحال نہیں چھیڑا جائے گا تاکہ شہری زندگی کے معاملات درہم برہم نہ ہوں۔ انہوں نے سرکاری ملازمین کو وزیر اعظم محمد الجلالی کے انتظامی احکامات کو ماننے کی تاکید کی تاکہ عوام کی روزمرہ کی زندگی متاثر نہ ہو۔ عورتوں کے نقاب کے معاملے میں انہوں نے یہ بیان دیا کہ ہم عورتوں کو قائل کرنے کی کوشش کریں گے کہ وہ اپنا چہرہ ڈھانپ کر رکھیں لیکن کسی کو نقاب پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ اہل علم کا اس مسئلے میں اختلاف ہے۔

۳۰ دسمبر ۲۰۲۴ء کو شائع ہونے والے اپنے ایک حالیہ انٹرویو میں احمد الشرع ابو محمد الجولانی نے کہا کہ ملک میں نئے آئین کی تیاری میں تین سال جبکہ انتخابات کے انعقاد میں چار سال لگ سکتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ کسی بھی مناسب انتخابات کے لیے جامع مردم شماری کا ہونا ضروری ہے اور یہ وقت طلب کام ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ قومی مکالمہ کانفرنس کے ذریعے معاشرے کے مختلف اجزاء اور گروہوں کو جمع کیا جائے گا۔ مظاہروں کے بارے میں

انہوں نے کہا کہ یہ عوام کا بنیادی حق ہے بشرطیکہ اداروں کا نقصان نہ ہو۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اسلحہ صرف شامی فوج کے پاس ہونا چاہیے اور دیگر مسلح گروپوں سے اسلحہ لے لیا جائے گا اور اسلحہ جمع کروانے کے لیے ان کو تیار کیا جائے گا۔ ان کا کہنا یہ بھی تھا کہ ہیئۃ تحریر الشام کو بھی تحلیل کر دیا جائے گا اور اس کا اعلان قومی مکالمہ کانفرنس میں کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ سعودی عرب ایک اہم اسلامی ملک ہے اور شام اس کے تعاون کا خواہشمند ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ شام کو اپنی تعمیر اور ترقی کے لیے سعودی عرب کے تجربے کی ضرورت ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ شام میں ایران کا چالیس سالہ منصوبہ گیارہ دنوں میں منہدم ہو گیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ایرانی انقلاب کا منصوبہ فرقہ وارانہ فسادات اور جنگوں کا باعث بنا اور ایرانی انقلاب سے اس خطے پر بہت منفی اثرات مرتب ہوئے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اسرائیل اب شام میں داخل ہونے کے لیے پَر تول رہا ہے اور ایران بھی اس میں رغبت رکھتا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ایران کو اب فرقہ وارانہ فسادات سے نکل کر شامی عوام کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے، کیونکہ ایران کی اپنی آبادی کا ایک بڑا حصہ اب خطے میں ایران کے مثبت کردار کا حامی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ ایران سے ایسے تعلقات چاہتے ہیں کہ جس میں شام کی خود مختاری پر حرف نہ آئے۔ انہوں نے اس امید کا اظہار کیا کہ امریکہ کی نئی قیادت شام سے پابندیاں اٹھا لے گی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ روس شام سے اس حال میں نکلے کہ دمشق اور ماسکو کے تعلقات خراب نہ ہوں۔

ایرانی اور لبنانی شیعہ علماء نے پچھلے ۱۲ سال سے سیدہ زینب بنت علی رحمہا اللہ کے مزار کو بچانے کے نام پر دنیا بھر سے حفاظت حرم کے نعرہ پر شیعہ نوجواں اکھٹے کیے اور زینبیوں بریگیڈ بنا کر ان کو لڑنے کے لیے شام بھیج دیا تھا۔ سیدہ زینب رحمہا اللہ کا مزار دنیا میں تین جگہ مشہور ہے جن میں سے مصر و شام کے بارے میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں اور درست بات یہ ہے کہ سیدہ زینب رحمہا اللہ دراصل مدینہ میں مدفون ہیں۔ خیر، حال ہی میں شام کے

تین شیعہ علماء کی ویڈیو وائرل ہوئی کہ سیدہ زینب رحمہا اللہ کا شام میں مزار کھلا ہے اور زائرین اس کی زیارت کر سکتے ہیں، لہٰذا کسی قسم کی افوہوں پر دھیان نہ کیا جائے۔

شامی انقلاب اور کرنے کا کام

سب سے پہلے تو ہم سب فتنوں کے دور سے متعلق دینی نصوص کے متون اور شام کے حالات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ علماء خاص طور عالمی میڈیا اور خبروں کو اپنے مطالعے میں رکھیں۔ دوسرا ہر خاص وعام اپنی اور امت مسلمہ کی کامیابی وکامرانی کے لیے دعا کا اہتمام کرے۔ تیسرا شام اور اہل شام کی مالی اور اخلاقی مدد کریں۔ اور چوتھا جہادی اور انقلابی تحریکوں کو چاہیے کہ شامی حکومت کو ہر اعتبار سے اسپورٹ کریں اور ان کے مدمقابل اب مزید کسی بغاوت کے پیدا ہونے یا کرنے کے راستے ہموار کر کے ریاست کو کمزور نہ کریں۔

آمنہ خالد

کامیاب لوگوں کی صفات و خصوصیات

تپتی ریت پر اخبار بچھا کر سونے والے کسی مزدور اور سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا ہونے والے کسی شہزادے کی آنکھیں ایک جیسے خواب تو دیکھ سکتی ہیں لیکن یہ قدرت کا قانون ہے کہ آنکھیں جتنا بڑا خواب دیکھتی ہیں اس خواب کی تعبیر پانے کے لیے اتنی بڑی قربانی دینا پڑتی ہے۔

کامیاب لوگوں کی عادات ہمیشہ سے ہی مطالعے کا موضوع رہی ہیں کیونکہ یہ عادات نہ صرف انفرادی کامیابی کا راز کھولتی ہیں بلکہ دوسروں کے لیے بھی رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ کامیابی کا مطلب صرف مادی دولت یا پیشہ ورانہ کامیابی نہیں ہوتا بلکہ یہ زندگی کے مختلف پہلوؤں میں مثبت نتائج حاصل کرنے کا نام ہے۔ کامیاب لوگوں کی چند ایسی مشترکہ عادات ہیں جو انہیں دوسروں سے ممتاز بناتی ہیں اور ان کے لیے کامیابی کے راستے کھولتی ہیں۔

ہم جب بھی کامیاب افراد اور قوموں کی زندگیوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں کامیابی اور ناکامی کے درمیان ایک حد فاصل دکھائی دیتی ہے عزت اور لذت کے درمیان ایک لفظ تفریق ڈالتا ہے بلندی اور پستی کے درمیان صرف ایک فرق دکھائی دیتا ہے۔ وہ حد فاصل، وہ لفظ، وہ فرق عادات ہے۔

کامیاب لوگ اپنے اہداف کے حصول کے لیے سخت محنت کرتے ہیں، مستقل مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہیں، اور مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے بھی ہمت نہیں ہارتے۔ وہ اپنی غلطیوں سے سبق سیکھتے ہیں اور ہر ناکامی کو ایک نئے سبق کے طور پر دیکھتے ہیں۔ ان کے پاس مثبت رویہ، مضبوط ارادے، اور واضح اہداف ہوتے ہیں۔

دوسری جانب، ناکام لوگ اکثر جلدی ہمت ہار جاتے ہیں، مشکلات سے گھبراتے ہیں، اور اپنی غلطیوں سے سبق نہیں سیکھتے۔ ان کے اہداف غیر واضح یا غیر حقیقت پسندانہ ہو سکتے ہیں، یا وہ اپنے وقت اور وسائل کا مناسب استعمال نہیں کرتے۔

کامیابی اور ناکامی کا یہ موازنہ ہمیں سکھاتا ہے کہ ہر انسان میں کامیاب ہونے کی صلاحیت موجود ہے، بشرطیکہ وہ اپنی کوششوں کو صحیح سمت میں اور مستقل مزاجی کے ساتھ جاری رکھے۔

بل گیٹ(Bill Gates)ایلون مسک(Elon Musk)جیف بیزوس (Jeff Bezos)آسٹیو جابز (Steve Jobs)مادر ٹریسا (Mother Teresa)کا شمار دنیا کے کامیاب ترین لوگوں میں ہوتا ہے۔ ان کی عادات ان کی کامیابی میں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔ کامیاب لوگ ان عادات کی بدولت اپنی زندگی میں نمایاں مقام حاصل کرتے ہیں جو ان کی کامیابی کے لئے نہایت اہمیت رکھتی ہیں۔ ذیل میں ان کامیاب لوگوں کی چند عادات کا ذکر کیا جارہا ہے۔

1۔وقت کی پابندی

کامیاب لوگ وقت کی قدر کرتے ہیں اور اسے ضائع نہیں کرتے۔ وہ ہر لمحے کو بہترین طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ وہ ہر روز صبح سویرے اٹھتے ہیں تاکہ اپنے تمام کاموں کو بروقت انجام دے سکیں۔ ان کی روزمرہ کی منصوبہ بندی میں وقت کا صحیح استعمال شامل ہوتا ہے۔

ڈائری یا کیلنڈر کا استعمال کرتے ہیں، اور ہر روز کے کاموں کو لکھ کر ترتیب دیتے ہیں۔ وہ مقررہ وقت پر ہر کام کو مکمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

2۔ مثبت سوچ

کامیاب لوگ ہمیشہ مثبت رہتے ہیں۔ وہ چیلنجز کو مواقع کے طور پر دیکھتے ہیں اور مشکل حالات میں بھی مثبت رہتے ہیں۔

وہ کبھی بھی منفی خیالات کو ذہن میں جگہ نہیں دیتے۔ اور ایسے لوگوں کے ساتھ وقت گزارتے ہیں جو مثبت توانائی دیتے ہیں۔

3۔ مسلسل سیکھنا

کامیاب لوگ ہمیشہ سیکھنے کی جستجو میں رہتے ہیں۔ وہ اپنی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں اور نئی چیزیں سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

وہ مختلف موضوعات پر کتابیں پڑھتے ہیں۔ وہ آن لائن یا آفس میں نئے کورسز میں شرکت کرتے ہیں۔ ان کے لئے سیکھنے کا عمل کبھی ختم نہیں ہوتا۔

4۔ خوداعتمادی

کامیاب لوگ اپنی صلاحیتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ کیا کر سکتے ہیں اور اپنی خوداعتمادی کو برقرار رکھتے ہیں۔

وہ اپنی صلاحیتوں اور قابلیت پر یعنی خود پر یقین رکھتے ہیں۔ اور وہ ہمیشہ خود سے مثبت باتیں کرتے ہیں۔ ان کی خوداعتمادی انہیں مشکلات کا سامنا کرنے اور انہیں حل کرنے میں مدد دیتی ہے۔

5۔ صحت کا خیال

کامیاب لوگ اپنی جسمانی اور ذہنی صحت کا خیال رکھتے ہیں۔ وہ باقاعدگی سے ورزش کرتے ہیں، متوازن غذا کھاتے ہیں، اور مناسب آرام کرتے ہیں۔

وہ روزانہ کم از کم 30 منٹ کی ورزش کرتے ہیں۔ ان کی صحتمند زندگی انہیں بہتر کارکردگی دکھانے میں مدد دیتی ہے۔

6۔ مستقل مزاجی

کامیاب لوگ مستقل مزاج ہوتے ہیں۔ وہ کسی بھی ناکامی سے گھبراتے نہیں ہیں اور مسلسل محنت کرتے رہتے ہیں۔ وہ اپنے اہداف کو حاصل کرنے کے لئے منصوبہ بندی کرتے

ہیں۔اور مسلسل اور سخت محنت کرتے ہیں۔ان کی مستقل مزاجی اور محنت انہیں کامیابی کے راستے پر لے جاتی ہے۔

7۔موثر منصوبہ بندی

کامیاب لوگ اپنے وقت اور وسائل کو بہترین طریقے سے استعمال کرنے کے لئے منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ وہ اپنے دن، ہفتے، اور مہینے کی منصوبہ بندی کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے مقاصد کو حاصل کر سکیں۔

اہمیت کے مطابق اپنے کاموں کو ترجیح دیتے ہیں، اہم کاموں کو پہلے کرتے ہیں۔ مختلف منصوبہ بندی کے اوزار استعمال کرتے ہیں۔

8۔تعلقات کی تعمیر

کامیاب لوگ دوسروں کے ساتھ مضبوط تعلقات قائم کرتے ہیں۔ وہ اپنے کام کے ماحول میں اچھے تعلقات بناتے ہیں اور دوسروں کی مدد کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔

انہیں سنتے ہیں اور ان کے مسائل حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے اچھے تعلقات انہیں مختلف مواقع فراہم کرتے ہیں۔

کامیاب لوگ ہمیشہ دوسروں کی مدد کرنے میں پہل کرتے ہیں۔اور لوگوں سے کھل کر بات چیت کرتے ہیں۔

9۔شکر گزاری

کامیاب لوگ ہمیشہ شکر گزار رہتے ہیں۔ وہ اپنی کامیابیوں اور ناکامیوں دونوں سے سیکھتے ہیں اور اپنے پاس موجود چیزوں کی قدر کرتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ان کی شکر گزاری انہیں مزید نعمتوں سے نوازتی ہے۔

کامیاب لوگ ہر روز شکر گزاری کے لئے وقت نکالتے ہیں۔اور زندگی کے مثبت پہلوؤں پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔

10۔اہداف کا تعین

کامیاب لوگ اپنے اہداف کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کرتے ہیں تاکہ انہیں حاصل کرنا آسان ہو۔وہ اپنے اہداف کو لکھتے ہیں اوران پر عمل کرتے ہیں۔

کامیاب لوگ مخصوص، ماپنے کے قابل، حاصل کرنے کے قابل، حقیقت پسندانہ اور وقت کے پابند اہداف طے کرتے ہیں۔اور اپنے اہداف کی طرف پیش رفت کی نگرانی کرتے ہیں۔

کامیاب لوگ اپنے مقصد کو واضح رکھتے ہیں۔انہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور کس طرح اسے حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ اپنے مقصد کی طرف قدم بہ قدم بڑھتے ہیں اور کبھی راستہ نہیں بھٹکتے۔

11۔لچکدار رویہ

کامیاب لوگ تبدیلی کو قبول کرتے ہیں اور حالات کے مطابق خود کو ڈھال لیتے ہیں۔وہ مختلف حالات میں بھی اپنا مقصد نہیں چھوڑتے۔

تبدیلی کو قبول کرتے ہوئے حالات کے مطابق اپنے منصوبوں میں تبدیلی کرتے ہیں۔ اور مختلف حالات کے مطابق اپنے رویے میں تبدیلی لاتے ہیں۔

12۔مہارت کی بہتری

کامیاب لوگ ہمیشہ اپنی مہارتوں کو بہتر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اپنی خامیوں پر کام کرتے ہیں اور اپنی صلاحیتوں کو نکھارتے ہیں۔

کامیاب لوگ مختلف ہنر اور تکنیکیں سیکھتے ہیں۔ اور اپنی مہارتوں کو بہتر بنانے کے لئے مسلسل مشق کرتے ہیں۔ ان کی محنت اور لگن انہیں مہارت میں بہترین بناتی ہے۔

یہ عادات کس بھی شخص کو کامیابی کی طرف لے جاسکتی ہیں۔ اگر ہم بھی ان عادات کو اپنی زندگی میں شامل کرلیں، تو ہم بھی کامیاب لوگوں کی صف میں شامل ہو سکتے ہیں۔

ایسی عادات ہماری زندگی میں مثبت تبدیلیاں لانے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ یاد رکھیں کہ کامیابی کوئی اتفاقی چیز نہیں، بلکہ یہ مسلسل محنت، عزم، اور درست عادات کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس لیے، ہمیں اپنی زندگی میں مثبت عادات کو فروغ دینا چاہیے اور غیر ضروری عادات کو ترک کرنا چاہیے تاکہ ہم ایک متوازن اور خوشحال زندگی گزار سکیں۔

مولانا اسرار الحق قاسمیؒ

بچوں کو سنبھالنے کی ضرورت

بگاڑ کے جدید آلات کے پس منظر میں

وقت کے ساتھ ماحول میں تیزی کے ساتھ تبدیلی رونما ہو رہی ہے۔ لیکن یہ تبدیلی تمام انسانوں، خصوصاً ان معاشروں اور خاندانوں کے لیے انتہائی مضر ہے، جن میں انسانی واخلاقی قدروں کا بھرپور لحاظ کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ آج کل رونما ہونے والی زیادہ تر تبدیلیاں سب سے پہلے انسانی واخلاقی اقدار پر ضرب لگا رہی ہیں۔ ماحول میں بڑھتی عریانیت، اخلاقی گراوٹ اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی دوڑ میں حقوق کی پامالی کے واقعات آئے دن بڑھتے جا رہے ہیں۔ ماحول کو تبدیل کرنے میں میڈیا سب سے زیادہ بھیانک کردار ادا کر رہا ہے۔ موٹی رقم کمانے کی آڑ میں پرنٹ میڈیا اپنے صفحات پر عریاں لٹریچر شائع کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ زیادہ تر بڑے اخبارات آج کل فحاشیت پر مبنی تصاویر اور مواد شائع کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لے رہے ہیں۔ اخبارات کے صفحات پر نیم برہنہ تصاویریں شائع کرنے کا رواج تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ اخبارات کے اس عمل سے مالکان کو تو خوب فائدہ ہو رہا ہے، لیکن ماحول تیزی کے ساتھ خراب ہوتا جا رہا ہے۔ وہ خاندان جو مہذب ہیں اور اس عریانیت و فحاشیت کو قطعاً پسند نہیں کرتے، وہ اخبارات کی اس تبدیلی پر سخت خفا ہیں اور پس و پیش میں مبتلا ہیں کہ آخر وہ اپنے گھر میں کونسا اخبار لائیں، اپنے بچوں کو کونسا اخبار پڑھنے کی اجازت دیں؟! اخبار کے بدلتی صورتحال کے پیش نظر ایک صاحب نے اپنی ناراضگی کا اظہار اس طرح کیا کہ ہم اپنے بچوں کے لیے کونسا اخبار گھر پر

جاری کرائیں۔ کیوں کہ جس اخبار کو بھی دیکھیے وہ عریاں تصاویر اور سطحی مواد سے بھرا پڑا ہے
۔

پرنٹ میڈیا سے زیادہ خطرناک صورتحال الیکٹرانک میڈیا کی ہے۔ چاہے وہ ریڈیو اسٹیشن ہوں، یا ٹی وی چینل یا انٹرنیٹ۔ آج کل ایف ایم ریڈیو کی مقبولیت بڑھ رہی ہے اور جابجا ایف ایم ریڈیو اسٹیشن قائم کرنے کے لیے خطیر رقم خرچ کی جارہی ہے، مگر سوال یہ ہے کہ ان ایف ایم ریڈیو پر کیا چیز نشر کی جاتی ہے؟ محض سطحی باتیں اور نوجوانوں کے جذبات کے مشتعل کرنے والے گانے۔ ٹی وی چینل ریڈیو سے دو ہاتھ آگے ہیں۔ زیادہ تر چینل ایسے پروگرام نشر کرتے ہیں جن سے ماحول خراب ہوتا ہے۔ بعض چینل تو شب و روز فلمیں دکھاتے ہیں اور بعض چینل ان سے بھی زیادہ فحش پروگرام نشر کرتے ہیں۔ انٹرنیٹ کی افادیت سے اگرچہ انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ اس کا بھی عام طور سے غلط استعمال کیا جارہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسے ماحول میں لوگ عریانیت، فحاشیت اور طرح طرح کی برائیوں سے کیسے محفوظ رہیں اور کیسے اپنے بچوں کو ضیاع وقت سے محفوظ رکھیں اور ان کو غلط کاموں سے بچائیں؟!

اسلام نے بچوں کی پرورش اور تربیت پر خاص توجہ دی ہے اور والدین کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی نگہداشت کریں، ان کو اخلاق سکھائیں، تعلیم دیں اور ان کی تربیت کریں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ (التحریم) اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچانے کا مطلب یہی ہے کہ لوگ خود بھی ایسے گناہوں سے بچیں جو ان کو جہنم تک لے جانے والے ہوں اور اپنے گھر والوں کو بھی ایسے کاموں سے بچائیں۔ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آں حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ) اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کی فکر تو سمجھ میں آگئی کہ ہم گناہوں سے بچیں اور احکام

الٰہی کی پابندی کریں، مگر اہل وعیال کو ہم کس طرح جہنم سے بچائیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جن کاموں سے منع فرمایا ہے، ان کاموں سے ان سب کو منع کرو اور جن کاموں کے کرنے کا تمہیں حکم دیا ہے تم بھی عمل کرو اور اپنے اہل وعیال کو بھی ان کاموں کے کرنے کا پابند بناؤ، تب تمہارا یہ عمل ان کو جہنم کی آگ سے بچا سکے گا۔

معلوم ہوا کہ بچوں کی تربیت ونگہداشت پر پوری توجہ دی جانی چاہیے۔ تعلیم وتربیت کے دائرہ کو محدود نہ رکھا جائے، اگر بچوں کو عصری تعلیم دی جائے تو اسے دین کی بنیادی تعلیم بھی فراہم کی جائے، بلکہ دینی تعلیم کو مقدم رکھا جائے، اسی طرح اگر بچوں کو تعلیم کے لیے اسکولوں، کالجوں یا دینی اداروں میں بھیجا جائے تو ان کو عملی تربیت بھی دی جائے۔ مثلاً کھانے کے آداب، بات کرنے کے آداب، بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ پیش آنے کے آداب بھی بتائے جانے چاہییں۔ ایسے ہی عقائد پر مضبوطی سے قائم رہنے اور صالح زندگی گزارنے کی ترغیب بھی دی جانی چاہیے۔ ماحول جس برق رفتاری کے ساتھ تبدیل ہو رہا ہے اور معاشرے میں عریانیت داخل ہو رہی ہے، اس سے کیسے محفوظ رہا جائے۔ اس طرح کی بنیادی چیزوں پر نگرانی بے حد ضروری ہے۔

انبیاء علیہم السلام اپنے اولاد کی اصلاح پر پوری توجہ دیتے تھے اور ان کے لیے دعائیں فرماتے تھے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی وصیت موجود ہے جس میں ان دونوں برگزیدہ نبیوں نے اپنے فرزندوں کو یہ نصیحت اور وصیت کی: اے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں دین اسلام کے لیے چن لیا اور حالت اسلام ہی میں تمہاری موت ہونی چاہیے۔ (البقرہ: 132) حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ وہ اپنے اہل وعیال کو نماز پڑھنے اور زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے بچوں کی اصلاح اور ان کی نگرانی کے بارے میں متعدد مواقع پر ہدایات فرمائیں۔ آپ ﷺ

نے ارشاد فرمایا: ''اولاد کے لیے والدین کا سب سے بہترین تحفہ اور عطیہ ان کی صحیح تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا ہے۔''(ترمذی۔ باب ماجاء فی ادب الولد)ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: ''جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اس کو نماز کی عادت ڈلواؤ اور جب دس برس کی عمر کو پہنچ جائے تو نماز نہ پڑھنے پر اس کو تنبیہ کرو''۔(ترمذی:39/1) رسول خدا ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ آدمی اپنے اہل وعیال کا نگراں ہے اور قیامت کے دن اہل وعیال سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں جواب دہ ہوگا۔(بخاری، باب العبد راع فی مال سیدہ)

بچوں کی تعلیم وتربیت پر دین اسلام نے کس قدر توجہ دی ہے، اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کی تھیں، ان کو قرآن میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''اے میرے بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر یا زمین وآسمان کی کسی بھی جگہ میں پوشیدہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کر دیتا ہے میرے بیٹے! نماز کا اہتمام کرو لوگوں کو نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو۔ میرے بیٹے! فخر اور غرور کی وجہ سے لوگوں سے انجان مت بنو اور نہ زمین پر اکڑ کر چلو۔ زمین پر جب چلو تو درمیانی رفتار سے چلو اور جب بات کرو تو اپنی آواز کو پست رکھو۔(سورہ لقمان: آیت 16تا19)

موجودہ زمانے میں بچوں کی نگہداشت اور زیادہ ضروری ہے۔ اس لیے کہ اس زمانے میں بچوں کو بگاڑنے والے بہت سے سامان چپے چپے پر موجود ہیں۔ جیسا کہ بہت سے گھروں میں ٹیلی ویژن موجود ہیں، جب بچہ قدرے ہوشیار ہوتا ہے اور اپنے والدین یا بڑوں کو ٹی وی دیکھتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ بھی ٹی وی دیکھنے لگتا ہے۔ طرح طرح کی فحاشیت پر مبنی مناظر ٹی وی میں دکھائے جاتے ہیں، اس لیے کچھ وقت کے بعد اسے بھی ٹی وی دیکھنے میں دلچسپی ہونے لگتی ہے اور اسکرین پر نمودار ہونے والے کرداروں کے مانند اپنے آپ کو بنانے کی خواہش اس کے

دل میں پیدا ہونے لگتی ہے۔ بعض مرتبہ ٹی وی پر منفی کرداروں سے متاثر ہو کر بعض بچے انہیں کے مانند جرائم کرنے لگتے ہیں۔ ابھی کچھ دنوں کی بات ہے کہ ایک بچہ اغوا ہو گیا تھا، جن لوگوں نے اغوا کیا تھا وہ بالکل نوجوان تھے، یعنی ان کی عمر 20 سال کے آس پاس تھی۔ اغوا کے بعد انہوں نے اس کے والدین سے موٹی رقم کا مطالبہ کیا، میڈیا اور پولیس نے اس واقعہ پر گہری نظر رکھی، بہر حال کسی طرح بچے کو چھڑا لیا گیا اور ان نوجوانوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ پولیس نے جب ان سے معلوم کیا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا اور اتنا خطرناک کھیل کیسے کھیلا؟ تو اس نے بتایا کہ دراصل ہم نے ایک فلم میں اغوا ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اسی کی طرح ہم نے بھی ویسا ہی کرنے کی کوشش کی۔ فلموں، فحش پروگراموں کے ذریعے کتنے نوجوان اور بچے بگڑ رہے ہیں، اس کی تعداد تو نہیں بتائی جا سکتی، لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ان ذرائع سے بگڑنے والے بچوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ بعض مرتبہ دیکھا جاتا ہے کہ کچھ والدین اپنے بچوں کی گھر کے اندر پوری نگہداشت رکھتے ہیں۔ اپنے بچوں کی اصلاح کے لیے وہ گھر میں نہ ٹی وی آنے دیتے ہیں اور نہ ریڈیو اور نہ اس طرح کی کوئی دوسری چیز، لیکن گھر کے باہر اپنے بچوں کی دیکھ بھال نہیں کر پاتے، جس کے سبب بچے باہر کے ماحول سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ بچوں کی گھر کے اندر بھی اور گھر کے باہر بھی احتیاط سے نگرانی کی جائے اور ان کی نفسیات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان کی اصلاح و تربیت کے لیے مثبت تدابیر اختیار کی جائیں۔

حافظ مدثر اقبال

انسانی شخصیت میں دل کی اہمیت

عالم بناتات کا مرکز جڑ ہے، نوع انسانی کا مرکز انبیاء علیہ السلام کی برگزیدہ شخصیات ہیں، امت مسلمہ کے اعتقادات کا مرکز توحید ہے، عبادات کا مرکز نماز ہے اور عبادات کی ادائیگی کے لیے سمت صحیحہ کے تعین کا مرکز کعبۃ اللہ ہے، بالکل اسی طرح انسانی وجود کا مرکز دل ہے، انسانی زندگی کی بقا کے لیے ضروری ہے کہ اپنے مرکز سے اس کا رابطہ قائم ودائم رہے، دل ہی وہ سرچشمہ اولین ہے جہاں سے انسان کو خیالات، احساسات، جذبات اور ارادوں کا شعور ملتا ہے، فساد اگر اس سرچشمے میں آجائے تو پھر سارے کردار میں پھیل جاتا ہے اور اصلاح اگر اس سرچشمہ کی ہو جائے تو پھر ساری سیرت سنور جاتی ہے یعنی دل اگر درست ہو جائے تو پھر یہی رہنما اور رہبر ہے، یہی امین اور محافظ ہے، یہی مفتی اور جج ہے، یہی وہ چاق وچوبند پاسباں اور چوکیدار ہے جو عزتوں کا بھی محافظ ہے، جو رشتوں کے تقدس کا بھی محافظ ہے، جو عہد وپیمان کا بھی محافظ ہے اور بقائے ایمان کا بھی محافظ ہے اور اگر یہی بگڑ جائے تو پھر انسان کی سیرت، اس کا تشخص اور اس کا کردار بگڑ جاتا ہے پھر اس پر نہ کسی واعظ کی نصیحت اثر کرتی ہے، نہ کسی مسیحا کی دوا کام آتی ہے، نہ کسی عامل کا عمل اثر انداز ہوتا ہے، یہاں تک کہ باہر کی کوئی بھی امداد انسان کو نہیں سنوار سکتی بلکہ ایسے لوگوں کا تذکرہ قرآن کچھ ایسے الفاظ میں کرتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔(سورۃ الاعراف آیت:۱۷۹)

ترجمہ: اور ان کے دل ہیں ان سے سمجھتے نہیں، آنکھیں ہیں ان سے دیکھتے نہیں، کان ہیں ان سے سنتے نہیں یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے۔ (القرآن)

قرآن مقدس کے علاوہ احادیث مبارکہ میں بھی کئی ایک مقام پر اصلاح قلب کے حوالے سے روایات ملتی ہیں، جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیر سے مروی ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسدالجسد کلہ، الا وھی القلب۔'' (متفق علیہ)

ترجمہ: سن لو! بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوگا تو سارا بدن درست ہوگا اور اگر وہ بگڑ جائے تو پھر سارا بدن بگڑ جاتا ہے، سن لو وہ ٹکڑا آدمی کا دل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

''اللّٰھم انی اسالک قلبا سلیما ''

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے قلب سلیم کا طالب ہوں۔ (ترمذی شریف)

حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ دل کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے اپنے کلام میں فرماتے ہیں:

دل بدست آور کہ حج اکبر است — از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

کعبہ گم گاہ خلیل آزر است — دل گزرگاہِ جلیل اکبر است

(ماہنامہ منہاج القرآن، جولائی 2009ء)

ترجمہ: مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے بندے اپنے دل کو تھام لے۔ یہ دل جو ہوا و حوس میں اڑتا پھرتا ہے، اس کو تھام لے اس کو قابو کر لے اسے باغی نہ ہونے دے اور اس پر کنٹرول حاصل کر لے۔ اگر تو نے اپنے دل کو کنٹرول کر لیا تو پھر اس کی قیمت ہزار

کعبوں سے بڑھ جائے گی کیونکہ کعبہ حضرت خلیل کی گزر گاہ ہے اور دل رب جلیل کی گزر گاہ ہے۔

دل کو عربی میں قلب کہا جاتا ہے۔ قرآن مقدس میں یہ لفظ متعدد طرق سے استعمال ہوا ہے (قلب سلیم: پاکیزگی والا قلب از سورۃ الشعراء 89۔ قلب منیب: رجوع کرنے والا قلب از سورۃ ق 33۔ قلب شہید: مشاہدہ کرنے والا قلب از سورۃ ق 37۔ قلب واجل: خوف رکھنے والا قلب از سورۃ البقرۃ 74، سورۃ الحدید 16۔ قلب مطمئنہ: مطمئن و پر سکون قلب از سورۃ الرعد 28۔ قلب مُشیب: بکھرا ہوا قلب از سورۃ الحشر 14۔ قلب اعمیٰ: اندھا قلب از سورۃ الحج۔ قلب ران: زنگ آلودہ قلب از سورۃ المطففین۔ قلب مختوم: مہر زدہ قلب از سورۃ البقرۃ۔ قلب قاسی: سخت پتھر قلب از سورۃ الزمر 22، قلب مریض: بیمار قلب از سورۃ البقرۃ 10)۔ قلب کے معنیٰ اردو میں ''الٹا'' کے ہیں، اس کی ایک تعبیر یہ ہے کہ دل سینے میں الٹی طرف یعنی بائیں طرف رکھا گیا ہے اور ایک تعبیر یہ ہے کہ شکل و شباہت سے یہ الٹا محسوس ہوتا ہے، سینے میں مجموعی طور پر چوبیس پسلیاں ہوتی ہیں اور دل بائیں طرف ایک پسلی سے لے کر پانچویں پسلی تک ہوتا ہے۔ تقاضائے فطرت کے مطابق خالق کائنات نے چونکہ ہر خوبصورت اور قیمتی شئ کی حفاظت کے لیے مناسب جگہ کا انتظام فرمایا ہے جس طرح پھول مناظر فطرت میں ایک حسین اور دلکش شے ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھنے کے لیے کانٹوں کے پنجرے میں محبوس کر دیا، اسی طرح جسم انسانی میں دماغ ایک قیمتی شے ہے اس لیے اس کو ہڈی کے ایک ایسے خول کے اندر محفوظ کر دیا کہ کوئی خارجی اثر آسانی کے ساتھ دماغ تک نہ پہنچ سکے۔ قلب اس سے بھی زیادہ قیمتی شے ہے اس لیے اس کو اس سے بھی زیادہ محفوظ جگہ میں نصب فرمایا۔

انسانی دل سائنسی نقطہ نظر کے مطابق:

قرآن و حدیث میں انسانی دل کو ذہانت کا منبع اور جذبات و احساسات رکھنے والا عضو قرار دیا گیا ہے۔ اُس دور میں سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی تھی، اس لیے اُنیسویں صدی تک یہی

سمجھا جاتا رہا کہ انسانی دل کی حیثیت صرف پمپ جیسی ہے جو پورے جسم میں خون پمپ کرتا ہے۔ تاہم بیسویں صدی کے وسط میں سائنس نے پہلی مرتبہ یہ حیرت انگیز دریافت کی کہ انسانی دل میں بھی انسانی دماغ کی طرح کے ذہانت کے خلیے پائے جاتے ہیں۔ اس انقلابی دریافت کے بعد انسانی دل پر بحیثیت منبع وذہانت کے مغرب میں کئی اہم سائنسی تحقیقات ہوئیں۔ جدید سائنس نے انسانی دل کے متعلق اب یہ سمجھنا شروع کیا ہے کہ دل کے اندر ایک چھوٹا سا دماغ ہے جس میں ذہانت کے خانے ہیں۔ یہ اس لیے کہ اُنہوں نے دریافت کیا ہے انسانی دل کے اندر تقریباً چالیس ہزار اعصابی خلیے (Nerve Cells) پائے جاتے ہیں۔ یہ وہی خلیے ہیں جن سے دماغ بنتا ہے۔ یہ اتنی بڑی تعداد ہے کہ دماغ کے کئی چھوٹے حصے اتنے ہی اعصابی خلیوں سے مل کر بنتے ہیں۔ مزید برآں دل کے یہ خلیے دماغ کی مدد کے بغیر کام کر سکتے ہیں۔ دل کے اندر پایا جانے والا یہ دماغ پورے جسم سے معلومات لیتا ہے اور پھر موزوں فیصلے کرنے کے بعد جسم کے اعضا حتیٰ کہ دماغ کو بھی جوابی ہدایات دیتا ہے، انہی وجوہات کی بنیاد پر کینیڈا کے سائنس دان ڈاکٹر جے اینڈریو آرمر نے ایک نئی میڈیکل فیلڈ نیورو کارڈیالوجی یعنی انسانی دل کا اعصابی نظام کی بنیاد رکھی ہے۔(A little Brain in the Heart)

ڈاکٹر آرمر کہتے ہیں جسم میں دل کی ایک منفرد خصوصیت اس کا دھڑکنا ہے، جس کی وساطت سے دل پورے جسم پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ہر دھڑکن کے ساتھ ہم دل کی موجودگی کو اپنے جسم میں محسوس کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کسی کلچر اور تہذیب کے کسی شخص کو لے لیں اور اس سے آپ کہیں کہ وہ اپنی ذات کی طرف اشارہ کرے تو کوئی شخص اپنے سر کی طرف اشارہ نہیں کرتا بلکہ اپنے دل کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے: ''میں'' یہ کرتا ہوں یا ''میں'' یہ کہتا ہوں وغیرہ۔ علاوہ ازیں دل کے اندر موجود دماغ میں ایک طرح کی یاداشت کی صلاحیت بھی پائی جاتی ہے۔ دل کو دھڑکنے کے لیے دماغ کی ضرورت نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ دل کی پیوندکاری کے آپریشن میں دل اور دماغ کے درمیان تمام رابطے کاٹ دیے جاتے

ہیں اور جب دل نئے مریض کے سینے میں لگایا جاتا ہے تو وہ پھر سے دھڑکنا شروع کر دیتا ہے۔

(A little Brain in the Heart)

سائنسی نقطہ نظر سے قلب کی اہمیت کے متعلق جان کاری کے بعد موجودہ دور کی جدیدیت کا انکار تو نہیں کیا جا سکتا لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ دنیا کو حیران کن تبدیلیوں سے دوچار کرنے والی انسانی عقل کیوں صرف ظاہری تبدیلیوں اور تغیرات ہی تک خود کو محدود رکھ سکی ہے؟ اور کیوں اب تک عالمی سطح پر ایسی کوئی تبدیلی نہیں لا سکی جو انسان کو قلبی اور ذہنی طور پر سکون واطمینان اور امن وآشتی عطا کرتی ہو؟ اگر انسان ماضی بعید اور ماضی قریب میں پریشانی سے دوچار تھا، تو آج کا انسان بھی دُکھی اور پریشان حال ہے۔ ظاہری آسائشیں اور سہولتیں اس کے زخموں کا مرہم نہیں بن سکی ہیں۔ یہ پریشاں حالی اور اس کے ساتھ مسلسل بڑھتی ہوئی پریشاں فکری بھی انسان کو اس درجے پر لے آئی ہے کہ مایوس ہو کر ہزارہا انسان خودکشی جیسا انتہائی گھناؤنا قدم اُٹھا رہے ہیں۔ نفسیاتی عوارض کا ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتے جانا، اس میں آئے دن اضافہ ہوتے جانا انسانی ترقی کے منہ پر طمانچہ ہے۔ نیز سائنس کے نام پر پیش کی جانے والی ہر بات حتمی سچائی نہیں ہوتی، آئے دن سائنسی اصولوں کا بننا اور کچھ عرصے بعد ان اصولوں کا غیر معتبر ہو جانا اس کی بڑی دلیل ہے، اس لیے سائنس کے تمام نظریات کو حتمی حقیقت سمجھ کر وحی الٰہی کے ذریعے ملنے والی معلومات کو ان کی کسوٹی پر جانچنے کی روش کسی طرح درست نہیں، ایک مسلمان کو اپنا اعتماد وایقان قرآن وسنت کے بیانات ہی پر رکھنا چاہئے اور سائنس کے کسی موقف کو حرف آخر سمجھنے کی غلطی نہیں کرنی چاہیے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دل سے مراد گوشت کا وہ لوتھڑا نہیں جو وجود کے اندر خون کو پمپ کرنے کا کام کرتا ہے، بلکہ دل ایک ایسی حقیقت ہے جس کا ملاِ اعلیٰ سے رابطہ ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ۔

ترجمہ: بیشک اس میں (یعنی قرآن پاک میں) نصیحت ہے اس کے لیے جو دل رکھتا ہو۔ (القرآن)

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰي قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا

ترجمہ: وہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے؟ بلکہ ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔ (القرآن)

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ

ترجمہ: وہی ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں اطمینان اُتارا تاکہ انہیں یقین پر یقین بڑھے۔ (القرآن)

مذکورہ آیات مبارکہ اس بات کی مکمل نشاندہی کرتی ہیں کہ دل وہ چیز ہے جس کی حقیقت اور اسرار ورموز کو بعینہ اس طرح بیان کرنا جس طرح قرآن کا مطلوب ہے یہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی تحقیقات ولیبارٹریوں سے اوپر درجے کا کام ہے۔

مولانا ندیم احمد انصاری

جدید دور میں اللہ کے بندوں

کے کام نہ آنے کا المیہ

زمانہ جوں جوں مادی ترقی کرتا جارہا ہے، آپسی محبت و تعاون کا جذبہ سرد پڑتا جا رہا ہے۔ ہر انسان کوئی بھی کام کرنے سے پہلے یہی سوچتا نظر آتا ہے کہ اس میں میرا کیا فائدہ ہے؟ اور اکثر و بیش تر کے نزدیک فائدے سے مراد مختصر دنیوی نفع ہے، جس کام میں انھیں کوئی نفع نظر نہیں آتا، اس میں انھیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، خواہ اس پر اللہ و رسول اللہ ﷺ کی جانب سے کتنے ہی ثواب کے وعدے اور بشارتیں کیوں نہ ہوں۔ بات صرف اتنی نہیں کہ ہم برے وقت میں کسی کے کام نہیں آتے، حد تو یہ ہے کہ اپنے مفاد کے لیے ہم کسی کو تکلیف پہنچانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ کام آنے کا معاملہ یوں ہے کہ آج کے دور میں کوئی زیادہ نرم دل ہو تو فون اور میسج پر حال چال پوچھ لیتا ہے اور بس، اب وہ لوگ نایاب ہیں جو کسی کی ضرورت کے وقت اس کے ساتھ کھڑے رہتے تھے۔ ہاں! کسی کو مصیبت میں دیکھ کر ویڈیوز بنانے کے لیے کھڑے رہتے تھے۔ ہاں! کسی کو مصیبت میں دیکھ کر ویڈیوز بنانے کے لیے کھڑے رہنے والے لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، اس لیے کہ ان کے نزدیک یہی سب سے بڑی خدمت ہے!

اسلام کا مطالعہ کرنے والا ہر طالب علم جانتا ہے کہ قرآن و احادیث میں باہم تعاون، یعنی ایک دوسرے کے کام آنے کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک عمل سے اس کی عمدہ مثالیں پیش کی ہیں۔

پر افسوس! آج ہم مسلمانوں کو اس کی فکر نہیں! ہر آدمی اپنی زندگی میں مست ہے، نہ کسی کو کسی کے دکھ درد میں کام آنے کی فرصت ہے اور نہ اپنی طرف سے نقصان پہنچنے سے بچانے کی پروا۔ اصل تو یہی تھا کہ دوسروں کے کام آتے، ورنہ کم سے کم انہیں اپنے شر سے محفوظ ہی رکھتے! اس کا سبب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں، ان کے ذہنوں سے اس کی اہمیت و حقیقت محو ہوتی جا رہی ہے۔ وہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو تو عبادت سمجھتے ہیں، لیکن اللہ و رسول کی رضا کے لیے کسی کی خدمت، مدد، تعاون اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کو شاید عبادت اور نیکی نہیں سمجھتے یا ذہنی طور پر اسے نیکی سمجھتے بھی ہیں تو کم از کم عملی طور پر اس کا ثبوت پیش کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے۔

مسلم شریف میں حدیث موجود ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی مومن سے دنیا کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کی اللہ اس کے آخرت کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی تو اللہ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ اللہ بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا ہوا ہے۔ (ترمذی، مسلم) کیوں نہ ہو، جب کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے وحی نازل ہونے پر اپنے شوہر نام دار کی حالت غیر ہوتے ہوئے دیکھ کر آپ ﷺ کو جن الفاظ میں ہمت بندھوائی تھی اور آپ ﷺ کے جن اوصاف کا خصوصیت سے ذکر کیا تھا من جملہ ان کے دوسروں کے کام آنا بھی ہے۔ وہ فرماتی ہیں: اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا! آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، ناتوانوں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں، محتاجوں کے لیے کماتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں مصیبتیں اٹھاتے ہیں۔ (بخاری) اور باری تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے: (**لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا**) ترجمہ: یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کے لیے جو

اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بہ کثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔ (الاحزاب)

مسلم شریف میں حضرت عبدالرحمٰن بن شماسہ سے روایت ہے، انہوں نے منبر پر سے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے، کسی مومن کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کی بیع پر بیع کرے اور نہ اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر نکاح کا پیغام بھیجے، یہاں تک کہ وہ (خود اسے) چھوڑ دے۔ (مسلم) یہ کوتاہی تو ہمارے معاشرے میں اس قدر عام ہے کہ جس کی انتہا نہیں، غضب یہ ہے کہ اسے برا بھی نہیں سمجھا جاتا۔ ایک شخص معاملہ کر رہا ہوتا ہے، دوسرا شخص خبر ملتے ہی اس سے بہتر آفر (offer) دے کر راتوں رات مال پر قبضہ کر لیتا ہے۔ نیز اس روایت میں گو کہ مومن کا لفظ وارد ہوا ہے، لیکن دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے کام آنے اور اسے اپنے شر سے بچانے کا حکم عام ہے، خواہ مومن ہو یا غیر مومن۔ اس لیے کہ اسلامی تعلیمات کا اصل رخ یہی ہے کہ امن و آشتی کی فضا عام کی جائے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (الحجرات) ایک مقام پر فرمایا گیا: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد (باپ) اور ایک عورت (ماں) سے پیدا کیا ہے۔ (الحجرات) اور رسول اللہ ﷺ کے الفاظ ہیں: میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تمام انسان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ (ابو داؤد) اسی لیے انسانی و ایمانی اخوت ہمیں اس کا پابند کرتی ہے کہ ہم دوسروں کے کام آئیں، کیوں کہ وہ ہمارے اپنے بھائی ہیں۔ صحیحین میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے حضرت نبی کریم ﷺ سے پوچھا: کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ پر ایمان لانا اور ان کی راہ میں جہاد کرنا۔ میں نے پوچھا: کس قسم کا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو بہت زیادہ بیش قیمت ہو اور اس کے مالکوں کو بہت پسند ہو۔ میں نے پوچھا: اگر میں یہ نہ کر سکوں؟ آپ ﷺ نے

فرمایا: کسی ہنر مند کی مدد کر دو یا کسی بے ہنر کے لیے کام کر دو! انہوں نے پوچھا: اگر میں یہ بھی نہ کر سکوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھو (یعنی ان کے کام نہیں آ سکتے تو کم سے کم ان کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے سے باز رہو)، اس لیے کہ وہ بھی ایک صدقہ ہے، جو تم اپنے آپ پر کرتے ہو۔ (بخاری، مسلم) یہ حدیث اس باب میں نہایت صریح ہے، جو کہ کلیے کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔ نیز اس میں مسلم و غیر مسلم کی بھی کوئی قید نہیں، جیسا کہ الناس کا لفظ بتا رہا ہے، جس سے اس کی آفاقیت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور جب عام انسانوں کے متعلق یہ ارشاد ہے، تو جو اپنے ہوں اور جن کا کوئی حق ہم سے وابستہ ہو، تو ان کے حق میں یہ حکم مزید تاکیدی ہو گا، یعنی استاذ، والدین، رشتے دار، دوست احباب وغیرہ ۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے ظالم یا مظلوم بھائی کی مدد کرو! لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے، لیکن ظالم کی کس طرح مدد کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا ہاتھ پکڑ لو (یعنی اس کو ظلم سے روک دو)۔ (بخاری) اس حدیث سے بھی ہر حال میں اپنے بھائی کی مدد کرنا لازم آتا ہے، ظالم ہے تو اسے ظلم سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرنا اور مظلوم ہے تو اسے ظلم سے بچانا ہی ان کی مدد ہے۔ جو حال بھی ہو، ہمیں اپنے بھائی کی مدد کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ رہا یہ امر کہ کن کن معاملوں میں مدد و تعاون پیش کیا جائے اور کن امور میں دام بچایا جائے، اس کی صراحت خود باری تعالیٰ نے فرما دی، جیسا کہ ارشاد ہے: اور نیکی اور تقوے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔ (المائدہ)

بہ طور سبق اس حدیث کو ہمیشہ ذہن و عمل میں رکھیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمام لوگوں میں وہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے جو لوگوں کو

سب سے زیادہ فائدہ پہچانے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نیکی یہ ہے کہ تم کسی مسلمان کی زندگی میں خوشی لاؤ، یا اس کی تکلیف و پریشانی دور کرو، یا اس کے قرض کی ادائیگی کا انتظام کرو، یا اس کی بھوک کو ختم کرو اور میں اپنے کسی مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس کے ساتھ (کچھ وقت) چلنے کو مسجد میں دو مہینے اعتکاف کرنے سے بہتر سمجھتا ہوں اور جس کسی نے اپنا غصہ روک لیا، اللہ تعالیٰ اس کی ستر پوشی فرمائے گا اور جس کسی نے انتقام و بدلہ لینے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی معاف کر دیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے دل کو غنا سے بھر دے گا، جو کہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی کوئی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس کے ساتھ چلا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے قدموں کو (پل صراط پر) پھسلنے (اور جہنم میں گرنے) سے بچائے گا اور ثابت قدم رکھے گا اور برے اخلاق ساری نیکیوں کو ایسے خراب کر دیتے ہیں جیسے سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔ (صحیح الجامع الصغیر للالبانی)

سمیہ اسلام

کتاب کی اہمیت

مطالعہ روح کی غذا ہے، جیسے جسم کو زندہ رہنے کے لیے خوراک کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح روح کو سیر کرنے کے لیے، اس کے علاج میں مفید مطالعہ اہم کردار ادا کرتا ہے، جن انبیائے کرام پر کتابیں نازل ہوئیں ان کو پڑھنے، سمجھنے اور اس پیغام الٰہی کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے طریقہ کار بھی سکھایا گیااور جن انبیائے پر کتابیں نازل نہیں ہوئیں انہیں اپنے پیش روانبیائے اکرام کی کتابوں کے فہم وابلاغ کا حکم دیا گیا۔

خاتم الانبیا حضرت محمد ﷺ کی دُعاقرآن حکیم میں مذکور ہے۔ رب زدنی علما (اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما) یہ دعاہمیں اس فکر وتدبر کی طرف بلاتی ہے کہ اگر آپ ﷺ نے علم کے اضافے کی دعا فرمائی ہے تو ہمیں بھی اس اضافے کے لیے کچھ کرنا پڑے گا، جس کے لیے مطالعہ اور جنہیں علم پر دسترس ہے۔ان کی صحبت اختیار کرنی پڑے گی۔ قرآن حکیم کی یہ آیت **وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ** (وہ انہیں کتاب کا علم سکھائے) واضح کرتی ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی صحبت کے بغیر کتاب کو نہیں سمجھ پائے، حالانکہ وہ عربی دان تھے۔

اَب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کن علوم کا مطالعہ کیا جائے؟ جس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو ہم درسی کتب کا مطالعہ کریں، پھر جو ہمارا ذوق ہے، اس کے مطابق مفید علوم پر مبنی کتب کا مطالعہ کریں۔ سب سے اہم یہ ہے کہ کہ ہم قرآن مجید اور سیرت رسول ﷺ کے مطالعے کو اپنی عادت بنائیں، آپ ﷺ اور آپ کی جماعت کے اُسوہ کو آج کے دور میں راہ نمائی کا ذریعہ سمجھ کر قوم کی ترقی کا سبب بنیں۔ پھر اس کے علاوہ جو بھی مطالعہ کریں اس میں مثبت سوچ کو اپنائیں، تاکہ ہمارے ذہن میں وُسعت نظری پیدا ہو، قوت برداشت اور گفتگو میں

شائستگی آئے۔ قوموں پر آنے والے عروج وزوال کے اسباب اور وجوہات تلاش ہو سکیں اور ہم دلیل کے ساتھ گفتگو کرنے کے قابل ہو سکیں۔

علم ایک گوہر نایاب ہے جس کے حصول سے ایک انسان کامیابی و کامرانی کی منازل طے کرتا ہے۔ تحصیل علم کے لیے مختلف ذرائع واسباب ہیں جیسے سماعت بصارت وقرات۔ قرات کے مختلف انواع ہیں۔ انہی انواع میں سے ایک نوع مطالعہ ہے۔ جسے کتب بینی بھی کہتے ہیں۔

مطالعہ کے لیے چنی جانے والی کتابوں کا معیار

مطالعہ کے لیے چنی جانے والی کتابوں کا معیار ایسا ہو کہ :

1۔ جس سے ہماری تربیت ہو۔

2۔اچھائی اور برائی میں فرق کر سکیں۔

3۔ نظام ظلم کا شعور آئے۔

4۔اخوت اور بھائی چارے کی اہمیت سمجھ سکیں۔

5۔ قومی آزادی اور ترقی کا ذہن بنے۔

6۔ایسی کتب جن سے ہم اولیاء اللہ اور علمائے ربانیین کی جدوجہد اور مساعی سے آشنا ہو سکیں۔

7۔ دین اسلام کے غلبے کی تاریخ اور اس مخلص قیادت سے واقفیت ہو سکے، جنہوں نے قوم کی آزادی اور ترقی کے لیے کردار ادا کیا۔ صراط مستقیم کے مطابق راہ نمائی کی اور عملی جدوجہد سے اپنے سچا ہونے کو ثابت کیا۔

مطالعے سے پہلے ہمیں یہ پتہ ہونا چاہیے کہ ہم اس سے کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہیں؟ ہمیشہ یاد رکھیں پہلے موضوع کا انتخاب کریں، اس پر محققین کی کتابوں کی فہرست بنائیں اور پھر ان کا مطالعہ کریں۔

ایک طالب علم کو انہی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے جو اس کی مثبت ذہن سازی کر سکیں۔ جذباتیت کو مثبت سمت دے سکیں، تاکہ نوجوان معاشرے میں مفید کردار ادا کر سکیں۔ آج ہمارا ملک مصائب سے دوچار ہے، جن سے نجات کے لیے راہ نمائی کا کوئی سازگار ماحول میسر نہیں۔

افسوس! اس بات کا ہے کہ یہاں علما اور مشائخ بھی موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق حل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ آج نوجوان کا مسئلہ سائنسی ذہنیت کا ہے جو بغیر دلیل و ثبوت کے ماننے کے لیے تیار نہیں۔ آج نوجوانوں کی اس پہلو سے درست راہ نمائی کی ضرورت ہے کہ وہ معاشرے میں موجود ان جماعتوں کا حصہ نہ بنیں جو اسے اپنے مفاد کے لیے استعمال کر کے ضائع کر دیں۔

ایسا علم جو کسی کو فائدہ نہ دے سکے، اس علم سے آپ ﷺ نے پناہ مانگی ہے۔ ایسا علم شیطانی وسوسوں کا باعث بنتا ہے اور حق کی پہچان میں رکاوٹ ہوتا ہے۔ آج مایوسی کی بڑی وَجہ یہی ہے کہ ہمیں حق کے راستے کی پہچان کا طریقہ کار معلوم نہیں۔

ہم ایک ایسے دور کا حصہ ہیں، جہاں ہم بدلتے حالات کو اپنے اردگرد میں دیکھ رہے ہیں، لیکن ہماری بے بسی کا یہ حال ہے کہ ہم وقت کے ساتھ خود کو تبدیل کرنے میں اہم پہلوؤں سے نظریں دور کیے ہوئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کے دور کا تقاضا جدید لوازمات زندگی ہیں، لیکن علم کی طلب کے تناظر میں ہمارا تعلق تو کتابوں کے ساتھ تھا، جو اَب ناپید ہو رہا ہے۔ ان کی جگہ آج سمارٹ فون نے لے لی ہے، جس میں ایک بے ہنگم ٹریفک کی طرح معلومات کا انبار ہمارے ذہنوں میں ڈالا جا رہا ہے، جس کا ہمیں صحبت صالح اور درست نظریہ نہ ہونے کے سبب سے خاطر خواہ فائدہ نہیں ہو رہا۔ اور پھر کتاب تو ہمیں ایک حوالہ مہیا کرتی ہے جو ہم اپنی گفتگو میں کسی کے سامنے رکھ سکتے ہیں، جب کہ انٹرنیٹ پر موجود معلومات کسی وقت بھی ڈیلیٹ یا تبدیل کی جاسکتی ہیں۔

بقول اقبال:

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

مطالعے کے لیے ہمارے پاس درسی کتب ہوتی ہیں جو دورانِ تعلیم طالب علم اپنے استعمال میں لاتے ہیں اور انہیں یادداشت کا حصہ بنا کر امتحان میں اچھے نتائج حاصل کرتے ہیں۔ غیر تدریسی قسم کی کتب کا مطالعہ ہم عقل میں وُسعت پیدا کرنے کے لیے کرتے ہیں اور اپنے شوق سے کتابوں کا چناؤ کرتے ہیں۔ ان کتابوں میں کچھ لوگ افسانوں کو پسند کرتے ہیں، کچھ تاریخ کو مطمع نظر بناتے ہیں اور کچھ کو شعر و شاعری میں شغف ہوتا ہے۔ دینی شغف والے لوگ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی سیرت اور دین پر مبنی کتب پڑھتے ہیں۔ کچھ لوگ جدید علوم کے ماہر بنتے ہیں اور دنیا میں ہونے والی تبدیلیوں کو کتابوں اور ریسرچ پیپرز میں لکھنے کا شوق پورا کرتے ہیں۔

ایک وقت تھا جب لائبریریاں کتب اور انہیں پڑھنے والوں سے بھری ہوتی تھیں، لوگ تدریسی اور غیر تدریسی کتب کا مطالعہ کرتے تھے۔ ہمارا یہ کلچر تھا کہ ہم ایک دوسرے کو تحفے میں کتاب پیش کرتے تھے۔ کوئی گھر ایسا نہیں ہوتا تھا، جس میں کتابوں کی الماری نہ ہو، لیکن وقت نے ایسی کایاپلٹی کہ سیاسی و معاشی عدم استحکام نے ہماری ذہنیت کو پست کر دیا۔ جدید آلات نے کتابوں کی جگہ قبضہ جمالیا اور ہمیں کتاب سے دور کر کے ذہنی غلامی کا شکار کر دیا۔

اچھی کتابوں کا مطالعہ نہ صرف انسان کے ذہن و شعور کو جلا بخشتا ہے بلکہ انسان کو مہذب بھی بناتا ہے۔ بہترین کتب انسانی شخصیت میں نکھار اور وقار عطا کرتی ہیں۔ کتاب سے دوستی انسان کو شعور کی نئی منزلوں سے روشناس کرواتی ہے الغرض کتاب ہی انسان کی بہترین مونس اور رفیق ہے۔

زمانہ عباسی کے مشہور شاعر متنبی کا شعر بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:

اعز مکان فی الدنی سرج سابح
وخیر جلیس فی الزمان کتاب

"ایک مسافر کے لیے دنیا کا بہترین مقام گھوڑے کی پشت ہے اور زمانہ میں بہترین ہمنشین کتاب ہے۔"

اچھی کتابیں زندگی پر بہت اچھی اثرات مرتب کر سکتی ہیں۔ ادب انسانی مزاج میں نرمی پیدا کرتا ہے۔ ذہن پر خوشگوار اور صحتمند اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مطالعے سے انسان کے اندر مثبت اور مضبوط سوچ پیدا ہوتی ہے۔ کتب کے مطالعے سے انسان کے اندر دلیل کے ساتھ بات کرنے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ آج ہم سنی سنائی باتوں کی بجائے مطالعے کے ذریعے اپنے اندر تحقیق کا رجحان پیدا کریں تو بہت سے مسائل اور جھگڑوں سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر ملت اسلامیہ دوبارہ سے دنیا میں عزت اور عروج حاصل کرنا چاہتی ہے تو ہمیں چاہیے کہ علم کی اس متاع گم گشتہ کو پھر سے حاصل کرنے کی فکر کریں کیونکہ علم کے اس زینے سے گزرے بغیر کامیابی کی بلندی تک پہنچنا نہ صرف مشکل بلکہ ایک ناممکن عمل ہے۔

مطالعہ وہی بہتر ہے، جس سے آپ کی اصلاح ہو اور اپنے تعلق والوں کی راہ نمائی کر سکیں۔ مطالعہ کا حاصل پہلے درجے میں آپ کی اپنی شخصیت کا نکھار ہے۔ آپ کے اخلاق میں ترقی آپ کے کردار سے ظاہر ہو۔ آج بھی ایک علمی طبقہ اپنے علم کی وَجہ سے خود کو بہترین تصور کرتا ہے اور اسی علم کی بنیاد پر دوسروں کا استحصال کرتا ہے۔ ایسی تکبر کی سوچ کو اللہ تعالیٰ سخت ناپسند کرتا ہے۔ علم کا اصل منبع تو اللہ پاک کی ذات ہے۔ ہم اس کے علم سے کچھ حصہ سیکھ جائیں تو انسانیت کو اس سے فائدہ پہنچنا چاہیے تب ہی ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہو سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں علمی تکبر سے بچائے اور غیر نافع علم سے دور رکھے۔

خلافت عثمانیہ کے خاتمے میں یہودی کردار

روزنامہ نوائے وقت لاہور نے ۵ مارچ سنہ ۲۰۰۳ء کو ایک اسرائیلی اخبار کے حوالے سے خبر دی ہے کہ اسرائیل کے وزیر دفاع جنرل موفاد نے کہا ہے کہ چند روز تک عراق پر ہمارا قبضہ ہوگا اور ہمارے راستے میں جو بھی رکاوٹ بنے گا اس کا حشر عراق جیسا ہوگا۔ جنرل موفاد نے خلافت عثمانیہ کا حوالہ بھی دیا ہے کہ عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید نے ہمیں فلسطین میں جگہ دینے سے انکار کیا تھا جس کی وجہ سے ہم نے نہ صرف ان کی حکومت ختم کر دی بلکہ عثمانی خلافت کا بستر ہی گول کر دیا۔ اب جو اسرائیل کی راہ میں مزاحم ہوگا اسے اسی انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اسرائیلی وزیر دفاع کے اس بیان سے حقیقت ایک بار پھر واضح ہوگئی ہے کہ عراق پر امریکی حملے کا منصوبہ دراصل صیہونی عزائم کی تکمیل کے لئے تھا اور اس عالمی پروگرام کا حصہ تھا جو عالم اسلام کے وسائل پر قبضہ اور اسرائیلی سرحدوں کو وسیع اور مستحکم کرنے کے لئے گزشتہ ایک صدی سے تسلسل کے ساتھ جاری ہے اور اس میں امریکہ، برطانیہ اور ان کے اتحادی مسلسل سرگرم عمل ہیں۔

آج سے ایک صدی قبل سلطان عبدالحمید خلافتِ عثمانیہ کے تاجدار تھے جن کا تذکرہ جنرل موفاد نے اپنے مذکورہ بیان میں کیا ہے۔ خلافتِ عثمانیہ کا دارالسلطنت استنبول (قسطنطنیہ) تھا اور فلسطین، اردن، عراق، شام، مصر اور حجاز سمیت اکثر عرب علاقے ایک عرصے سے خلافتِ عثمانیہ کے زیر نگین تھے۔ فلسطین خلافتِ عثمانیہ کا صوبہ تھا اور بیت المقدس کا شہر بھی عثمانی سلطنت کے اہم شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ یہودی عالمی سطح پر فلسطین میں آباد ہوئے۔ اسرائیلی ریاست کے قیام کے ساتھ ساتھ بیت المقدس پر قبضہ کر کے مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کا پروگرام بنا چکے تھے اور اس کے لئے مختلف طریقوں سے راہ ہموار کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ سلطان عبدالحمید مرحوم نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ یہودیوں کی عالمی تنظیم کا وفد ان کے پاس آیا اور ان سے درخواست کی کہ انہیں فلسطین میں

آباد ہونے کی اجازت دی جائے۔ عثمانی سلطنت کے قانون کے مطابق یہودیوں کو فلسطین میں آنے کی اور بیت المقدس کی زیارت کی اجازت تو تھی مگر وہاں زمین خریدنے اور آباد ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ چنانچہ بیسویں صدی کے آغاز تک پورے فلسطین میں یہودیوں کی کوئی بستی نہیں تھی، یہودی دنیا کے مختلف ممالک میں بکھرے ہوئے تھے اور کسی ایک جگہ بھی ان کی ریاست یا مستقل شہر نہیں تھا۔ سلطان عبدالحمید مرحوم نے درخواست منظور کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ اسرائیل، بیت المقدس اور فلسطین کے بارے میں یہودیوں کا عالمی منصوبہ ان کے علم میں آچکا تھا۔ اس لئے ان کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اس صورتحال میں یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت دیتے۔

سلطان مرحوم کا کہنا ہے کہ دوسری بار یہودی لیڈروں کا وفد ان سے ملا تو یہ پیشکش کی کہ ہم سلطنت عثمانیہ کے لئے ایک بڑی یونیورسٹی بنانے کے لئے تیار ہیں جس میں دنیا بھر سے یہودی سائنسدان خلافت عثمانیہ کا ہاتھ بٹائیں گے اس لیے انہیں جگہ فراہم کی جائے اور مناسب سہولتیں مہیا کی جائیں۔ سلطان عبدالحمید مرحوم نے وفد کو جواب دیا کہ وہ یونیورسٹی کے لیے جگہ فراہم کرنے اور ہر ممکن سہولتیں دینے کو تیار ہیں بشرطیکہ یہ یونیورسٹی فلسطین کی بجائے کسی اور علاقہ میں قائم کی جائے۔ یونیورسٹی کے نام پر وہ یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت نہیں دیں گے لیکن وفد نے یہ بات قبول نہ کی۔

سلطان عبدالحمید مرحوم نے لکھا ہے کہ تیسری بار پھر یہودی لیڈروں کا وفد ان سے ملا اور یہ پیشکش کی وہ جتنی رقم چاہیں انہیں دے دی جائے گی مگر وہ صرف یہودیوں کی ایک محدود تعداد کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت دے دیں۔ سلطان عبدالحمید مرحوم نے اس پر سخت غیظ وغضب کا اظہار کیا اور وفد کو ملاقات کے کمرے سے فوراً نکل جانے کی ہدایت کی نیز اپنے عملے سے کہا کہ آئندہ اس وفد کو دوبارہ ان سے ملاقات کا وقت نہ دیا جائے۔ اس کے بعد ترکی میں خلافت عثمانیہ کے فرمانروا سلطان عبدالحمید مرحوم کے خلاف سیاسی تحریک کی آبیاری کی

گئی اور مختلف الزامات کے تحت عوام کو ان کے خلاف بھڑکا کر ان کی حکومت کو ختم کرادیا گیا۔ چنانچہ حکومت کے خاتمے کے بعد انہوں نے بقیہ زندگی نظر بندی کی حالت میں بسر کی اور اسی دوران مذکورہ یادداشتیں تحریر کیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ انہیں خلافت سے برطرفی کا پروانہ دینے کے لیے جو وفد آیا اس میں ترکی پارلیمنٹ کا یہودی ممبر ایمانوئیل کراسو بھی شامل تھا جو کہ اس سے قبل مذکورہ یہودی وفد میں شریک تھا، اور یہ اس بات کی علامت تھی کہ سلطان مرحوم کے خلاف سیاسی تحریک اور ان کی برطرفی کی یہ ساری کارروائی یہودی سازشوں کا شاخسانہ تھی، جس کی تصدیق اب تقریبا ایک صدی گزر جانے کے بعد اسرائیل وزیر دفاع موفاد نے بھی مذکورہ بیان میں کردی۔

سلطان عبدالحمید مرحوم ایک باغیرت اور باخبر حکمران تھے جنہوں نے اپنی ہمت کی حد تک خلافت کا دفاع کیا اور یہودی سازشوں کا راستہ روکنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔ لیکن ان کے بعد بننے والے عثمانی خلفاء کٹھ پتلی حکمران ثابت ہوئے جن کی آڑ میں مغربی ممالک اور یہودی اداروں نے خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کے ایجنڈے کی تکمیل کی یہ سنہ 1924ء میں خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ ترکوں نے عرب دنیا سے لاتعلقی اختیار کر کے ترک نیشنلزم کی بنیاد پر سیکولر حکومت قائم کرلی۔ جبکہ مکہ مکرمہ حسین ابن علی شریف مکہ نے (جواردن کے موجودہ حکمران شاہ عبداللہ کے پردادا تھے) خلافتِ عثمانیہ کے خلاف مسلح بغاوت کر کے عرب خطہ کا خلافت عثمانیہ سے آزادی کا اعلان کر دیا۔ انہیں یہود کی طرف سے یہ چکمہ دیا گیا تھا کہ خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے بعد ان کی خلافت عالم اسلام میں قائم ہو جائے گی مگر ان کے ایک بیٹے کو عراق اور دوسرے بیٹے کو اردن کا بادشاہ بنا کر ان کی عرب خلافت کا خواب سبوتاژ کر دیا گیا۔ حجاز مقدس پر آل سعود کے قبضہ کی راہ ہموار کر کے حسین شریف کو نظر بن کر دیا گیا جنہوں نے باقی زندگی اسی حالت میں گزار دی۔

اس دوران فلسطین پر برطانیہ نے قبضہ کرکے اپنا گورنر بٹھا دیا جس نے یہودیوں کو اجازت دے دی کہ وہ فلسطین میں آکر جگہ خرید سکتے ہیں اور آباد ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ دنیا کے مختلف ممالک سے منظم پروگرام کے تحت یہودیوں نے فلسطین میں آکر آباد ہونا شروع کیا۔ وہ فلسطین میں جگہ خریدتے تھے اور اس کی دوگنی چوگنی قیمت ادا کرتے تھے۔ فلسطینی عوام نے اس لالچ میں زمینیں فروخت کیں اور علماء کرام کے منع کرنے کے باوجود محض دوگنی قیمت کے لالچ میں یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کا موقع فراہم کیا۔ اس وقت عالم اسلام کے سرکردہ علماء کرام نے فتویٰ صادر کیا کہ چونکہ یہودی فلسطین میں آباد ہو کر اسرائیلی ریاست قائم کرنا چاہتے تھے اور بیت المقدس پر قبضہ ان کا اصل پروگرام ہے اس لیے یہودیوں کو فلسطین کی زمین فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ یہ فتویٰ دیگر بڑے علماء کرام کی طرح حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بھی جاری کیا جو ان کی کتاب ''بوادر النوادر'' میں موجود ہے۔ مگر فلسطینیوں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور دنیا کے مختلف اطراف سے آنے والے یہودی فلسطین میں بہت سی زمینیں خرید کر اپنی بستیاں بنانے اور آباد ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ حتیٰ کہ سنہ ۱۹۴۵ء میں اقوام متحدہ نے یہودیوں کو فلسطین کے ایک حصے کا حقدار تسلیم کرکے ان کی ریاست کے حق کو جائز قرار دے دیا اور فلسطین میں اسرائیل اور فلسطین کے نام سے دو الگ الگ ریاستوں کے قیام کی منظوری دے دی جس کے بعد برطانوی گورنر نے اقتدار یہودی حکومت کے حوالے کر دیا۔

یہ اس بیان کا مختصر سا پس منظر ہے جس میں اسرائیل وزیر دفاع جنرل موفاد نے خلافتِ عثمانیہ کے فرمانروا سلطان عبد الحمید مرحوم کی معزولی اور خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے میں یہودی کردار کا ذکر کیا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عالم اسلام کے دشمن کس قدر چوکنا، باخبر اور مستعد ہیں اور اس کے مقابلے میں ہماری بے حسی، بے خبری اور ناعاقبت اندیشی کی سطح کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائیں۔

اسٹیو جابز

ایک ارب پتی امریکی کی وصیت

جو ہمارے لیے بھی سبق آموز ہے

ممتاز کاروباری شخصیت اور ایپل کمپنی کے چیئرمین، ارب پتی اسٹیو جابز، 56 سال کی عمر میں لبلبے کے کینسر کے باعث انتقال کر گئے۔ انہوں نے 7 ارب ڈالر کی دولت چھوڑ دی۔ ان کے آخری الفاظ یہ تھے:

"میری موجودہ حالت سے، میری زندگی کامیابی کا جوہر نظر آتی ہے لیکن مجھے اپنے پاس موجود چیزوں سے زیادہ خوشی محسوس نہیں ہوتی۔ آخر میں، دولت محض ایک عدد بن گئی ہے یا ایسی چیز جس کی میں عادت ڈال چکا ہوں۔

اس لمحے، جب میں اپنے بستر پر لیٹا ہوں، بیمار ہوں اور ماضی کی زندگی کو یاد کر رہا ہوں، مجھے احساس ہوتا ہے کہ میری ساری شہرت اور دولت موت کے سامنے بے معنی ہے۔

آپ ڈرائیور کو گاڑی چلانے کے لیے، یا ملازم کو آپ کے کام کرنے کے لیے، یا مینیجرز کو آپ کے کاروبار کو چلانے اور مزید پیسہ اور شہرت حاصل کرنے کے لیے تنخواہ پر رکھ سکتے ہیں لیکن یقیناً آپ کسی کو بھی، کسی قیمت پر بھی، اپنے درد یا بیماری کو برداشت کرنے کے لیے کرائے پر نہیں لے سکتے۔ انسان جتنی بھی مادی چیزیں چاہے، حاصل کر سکتا ہے، لیکن ایک چیز جو کھو جانے پر کبھی واپس نہیں ملتی وہ ہے "زندگی"۔

جیسے جیسے ہم عمر میں بڑے ہوتے جاتے ہیں، ہم زیادہ سمجھدار ہوتے جاتے ہیں اور ہمیں احساس ہوتا ہے کہ چاہے گھڑی کی قیمت 30 ڈالر ہو یا 3000 ڈالر، دونوں ایک ہی وقت دکھاتی ہیں۔

اور ہمیں احساس ہوتا ہے کہ چاہے ہم 30 ڈالر کے یا 500 ڈالر کے بٹوے میں پیسے رکھیں، رقم وہی رہتی ہے۔

اور چاہے ہم 150,000 ڈالر کی گاڑی چلائیں یا 15,000 ڈالر کی، راستہ اور فاصلہ وہی رہتا ہے، اور ہم آخر کار ایک ہی منزل پر پہنچتے ہیں۔

چاہے ہم 300 مربع میٹر کے گھر میں رہتے ہوں یا 3000 مربع میٹر کے، تنہائی وہی رہتی ہے اور ہم چند میٹر سے زیادہ جگہ پر نہیں سوتے۔

آپ کی حقیقی اندرونی خوشی مادی چیزوں سے نہیں آتی جو آپ کے پاس ہیں۔ چاہے آپ فرسٹ کلاس میں سفر کریں، یا اکانومی کلاس میں، اگر جہاز گر جائے تو سب مر جاتے ہیں۔

لہٰذا، میں امید کرتا ہوں کہ آپ سمجھیں کہ جب آپ کی زندگی میں ایک اعلیٰ مقصد ہو اور آپ نے دوسروں کو خوش کیا ہو، تو یہی حقیقی خوشی ہے۔

چند حقائق اور بھی ہیں جن پر ہمیں دھیان دینا چاہیے:

۱۔ اپنے بچوں کو امیر ہونا نہ سکھائیں، انہیں خوش ہونا سکھائیں تاکہ جب وہ بڑے ہوں تو انہیں چیزوں کی قدر معلوم ہو، نہ کہ قیمت۔

۲۔ اپنا کھانا دوا کی طرح کھائیں ورنہ آپ کو دوا کو کھانے کی طرح کھانا پڑے گا۔

۳۔ اپنا پیسہ دھوپ میں چھوڑ دو اور خود سایہ میں بیٹھو۔ اپنے آپ اور اپنے ارد گرد کے لوگوں پر خرچ کرنے میں بخل نہ کرو کیونکہ پیسہ ہمیں جینے کے لیے دیا گیا ہے، نہ کہ پیسے کے لیے جینا۔

۴۔ ان لوگوں سے محبت کرو جنہیں اللہ نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور ان کے ساتھ احسان کرو کہ ایک دن آپ کو ایک دوسرے کی ضرورت ہوگی۔

۵۔ اگر آپ امیرانہ زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو اکیلے جاؤ لیکن اگر آپ خوش رہنا چاہتے ہیں تو دوسروں کے ساتھ جاؤ۔

اگر آپ نے یہ پڑھ لیا ہے تو اللہ کا شکر ادا کریں، ان نعمتوں کے لیے جو بے شمار ہیں۔

محمد موسیٰ بھٹو

عبدالوحید قریشی مرحوم

عبدالوحید قریشی صاحب کا بھی انتقال ہو گیا، اللہ ان کی مغفرت فرمائے، عبدالوحید قریشی صاحب جماعت اسلامی کے ان مثالی افراد میں سے تھے، جن کے کردار کو دیکھکر لوگ جماعت سے قریب ہوتے ہیں، موصوف ساری زندگی خدمت خلق اور اقامت دین کا کام کرتے رہے، تقریباساٹھ سال تک ان کا یہ معمول تھا کہ گھر سے صبح نکلتے، رات گئے تک جماعتی سرگرمیوں اور سماجی خدمت کے کاموں میں مصروف رہتے، وہ کارکنوں، عام لوگوں اور اپنے درمیاں معمولی حجاب بھی نہیں رکھتے تھے، لوگوں میں گھل مل کر رہنا، ان کی زندگی کا حصہ تھا۔ ایسے لوگ جن کو وہ جانتے تک نہیں تھے، ان کے ساتھ متعلقہ دفتروں میں جاتے اوران کا کام کراتے، سرکاری آفیسر صاحبان ان کی خوبصورت ڈاڑھی اور وجاہت کی حامل شخصیت کو دیکھکر ان کا احترام کرتے، اوران سے ٹال مٹول کا کام نہ لیتے۔

موصوف بے غرض، مخلص اور بے لوث ہونے کے ساتھ ساتھ سراپا جہد تھے، وہ جماعت اسلامی سے وابستہ بڑے تعلیمی ادارے، ادارہ تعمیر ملت منصورہ سندھ کے عرصہ تک سیکریٹری رہے، مدرسہ ریاض العلوم کے روح رواں رہے، ان اداروں کے معاملات اس طرح چلاتے رہے، جس سے اداروں میں ہونے والا اختلاف، انتشار کی صورت اختیار نہ کرے۔

عبدالوحید قریشی صاحب کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ ان میں جماعتی تعصب موجود نہیں تھا، دوسری جماعتوں میں موجود خیر کے اجزا کو وہ سمجھتے تھے۔

ان کے والدین کا تعلق بزرگوں سے رہا، ان کی تربیت کی وجہ سے ان کی شخصیت میں روحانی اجزاموجود تھے، ان کی ایک خوبی یہ تھی کہ غصہ کے وقت بھی ان کی آواز اونچی نہیں ہوتی تھی، آواز میں نرمی اور دھیماپن موجود ہوتا تھا۔ وہ اپنوں اور غیروں سب کا احترام کرتے تھے۔

انہوں نے اپنے آپ کو جماعت کے لئے مکمل طور پر فنا کردیا تھا۔

ادارہ تعمیر ملت منصورہ اور ان کے قائم کردہ مدرسہ جامعتہ العلوم الاسلامیہ کا میں بھی ممبر تھا، وہ مجھے اصرار کرکے ادارہ اور مدرسہ کی قائم کردہ شوریٰ کے اجلاسوں میں لے جاتے تھے، راستہ میں ان سے کبھی کبھار تصوف کے موضوع پر گفتگو ہوتی تھی، میری اس گفتگو سے وہ شعوری طور پر تصوف کی اہمیت اور ضرورت کے قائل ہوگئے تھے، جس کا انہوں نے جامعہ کے مھتمم سے ذکر بھی کیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جماعت اسلامی کو اس طرح کی شخصیتیں عطا کرے۔

ہمارے کچھ اہم معاملات

احادیث نبوی کی روشنی میں

اسلام لانے سے سلامتی کا حاصل ہونا

فرمایا: اسلام لے آ، یعنی خدا کا مطیع بن جا، سلامت رہے گا۔(الادب المفرد۔۱۱۰۹)

سلامتی کا تعلق اللہ کی مخلصانہ اطاعت سے ہے، اگر جذبہ محبت کے ساتھ اطاعت نہیں ہے تو نہ تو طبیعت میں سلامتی پیدا ہوگی، نہ ہی زندگی خیر و برکت سے بہرہ ور ہوگی، آخرت کی سلامتی تو خطرے ہی سے دوچار ہوگی۔

اعمال کا نیتوں پر دارومدار ہونا

فرمایا: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔(أخرجه مسلم۱۹۰۷)

نیت کی اہمیت فیصلہ کن ہے، نیت دل کا عمل ہے، انسان کے ساتھ سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ نفس کی قوت دل کو یرغمال بنا کر اس میں ریا، کبر اور خود پسندی جیسے جذبات پیدا کر دیتی ہے، جس کی وجہ سے اعمال میں اخلاص پیدا نہیں ہو پاتا، اور اعمال کی ادائیگی اکثر عادت کے طور پر ہونے لگتی ہے، دل پر محنت کرکے، دل کے رخ کو صحیح بنانا اور اسے خالص اللہ کے لئے بنانا سب سے بڑا کام ہے، اس کے لئے سخت مجاہدوں کی ضرورت ہے۔

بخل سے بڑھکر مرض کا نہ ہونا

فرمایا: کیا بخل سے بڑھکر بھی کوئی مرض ہے۔(صحیح بخاری: ۴۳۸۳)

بخل کی بیماری اکثر مالداروں میں پیدا ہو جاتی ہے، مال آتا ہے تو اس سے مزید مال بنانے کا حرص فرد کو بخل کرنے پر آمادہ کرتا ہے، اس طرح بخیل فرد غریبوں کو قابل رحم حالت میں دیکھنے کے باوجود ان کی مدد کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اس کے عزیز و اقارب سخت محتاجی کی حالت میں ہوتے ہیں، وہ ان کی حالت پر بھی رحم نہیں کرتا۔

دانائی کی بات کا مومن کی گم شدہ متاع ہونا

فرمایا: دانائی کی بات ہر دانا کی گمشدہ متاع ہے ۔ (سنن الترمذی/العلم ۱۹ (۳۶۸۷)

یہ تجربہ کی بات ہے کہ بعض اوقات فرد کے دل کی گرہیں نہیں کھل پاتی اور دماغ میں صحیح بات نہیں آتی، عین موقعے پر کسی عام آدمی کی طرف سے ایسا نکتہ بیان ہوتا ہے کہ اس کے دل کی گرہیں کھلنے لگتی ہیں اور اس کا ذہنی اشکال دور ہونے لگتا ہے، اس لئے دانا فرد کو کہیں سے بھی بہتر بات ملے تو اسے قبول کرنے میں رکاوٹ نہ ہونی چاہیئے، یہ دراصل اللہ کی طرف سے اہتمام ہوتا ہے، تاکہ بندہ مومن خود رائی اور خود بینی کے مرض میں مبتلا ہونے سے بچ جائے۔

روزی کا کمزور لوگوں کے صدقے میں فراہم ہونا

فرمایا: تمہیں مدد اور روزی کمزور لوگوں کے صدقے فراہم ہوتی ہے۔(صحیح ابی داؤ دالصفحة أو الرقم۲۵۹۴)

یہ ایک اہم حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ افراد کو اس کے گھر کے کمزور لوگوں کے صدقے میں روزی اور اس میں برکت دیتا ہے، اس لئے کمزور لوگوں کو اپنے اوپر بوجھ نہیں سمجھنا چاہیئے، بلکہ انہیں روزی میں برکت کا ذریعہ سمجھنا چاہیئے، مادیت پسندی کے اس دور میں اس نکتے کو نظر انداز کیا گیا ہے اور کمزوروں کو بوجھ اور وبال سمجھا جاتا ہے، اس غلط ذہنیت اور غلط

نفسیات کا نتیجہ ہے کہ گھر میں میاں بیوی دونوں کمانے میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں، اس کے باوجود شکایت یہ ہے کہ ضروریات پوری نہیں ہوتی، یہ دراصل بے برکتی ہے، جو اپنی محنت ہی کو روزی کا واحد ذریعہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔

جن لوگوں کے ہاں مذکورہ حدیث میں بیان کردہ نکتے کو ذہن نشین کیا گیا ہے، ان کے ہاں برکت ہی برکت ہے، تھوڑی روزی سب کے لئے کافی ثابت ہوتی ہے، شکوہ شکایات کا ماحول نہیں ہوتا اور گھر کے کمزور افراد کو وبال اور بوجھ ہرگز نہیں سمجھا جاتا۔

دور جدید میں اس طرح کے بہت سارے مسائل اور الجھنیں ہیں، جو اسلام کے مزاج کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں، جس کی وجہ سے گھر کے ہر فرد کا وقت اور صلاحیتیں گھر میں پیسہ لانے میں صرف ہو رہی ہیں۔

کام کو اچھی طرح سرانجام دینا

فرمایا: اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ ہر عمل کرنے والا کام کرے تو اسے اچھی طرح سرانجام دے۔ (صحیح الجامع الصغیر :۱۸۸۰)

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر عمل کی اصلیت اس وقت منکشف ہوتی ہے، جب اسے بہتر طور پر سرانجام دیا جاتا ہے، نماز کی حقیقت اس وقت مشاہد ہوتی ہے، جب دل اور ذہن پوری طرح یکسو جاتے ہیں، ذکر کے انوار اس وقت حاصل ہوتے ہیں، جب پوری توجہ کے ساتھ ذکر ہوتا ہے۔

کسی بھی ادارے کے کام میں بہتری اور ترقی اس وقت ہوتی ہے، جب اس میں پوری طرح توانائیاں اور صلاحیتیں صرف ہوتی ہیں۔

اللہ نے کام کے نتائج کا تعلق کام کو پوری طرح سرانجام دینے سے وابستہ کیا ہے، اللہ کو بندے کی یہی ادا پسند ہے کہ وہ ایسا ہی کرے، ورنہ کاموں میں نقص رہ جاتا ہے اور اس کے مطلوبہ فوائد و ثمرات بھی ظاہر نہیں ہوتے۔ اس حدیث شریف میں کام کو سرانجام دینے کا اہم

اصول یا نکتہ بیان فرمایا گیا ہے، خود دنیاوی کاموں کو سرانجام دینے کے لئے اس کام میں فنائیت اور پوری توجہ کا ہونا ضروری ہے۔

لوگوں کی مثال

فرمایا: لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے سو اونٹ ہوں اور ان میں سے ایک بھی کام کے قابل نہ ہو۔(صحیح البخاري٦٤٩٨)

اس حدیث میں غالباًاللہ کی عبادت واطاعت کا حق ادا کرنے والے اور مثالی تقویٰ وزہد کے حامل افراد کی کمیابی کی طرف اشارہ ہے کہ لوگوں میں تقویٰ کی مثالی راہ اختیار کرنے والے افراد کم ہی ہوتے ہیں۔

اچھے ہم نشین کا تنہائی سے بہتر ہونا

فرمایا: اچھا ہم نشیں تنہائی سے بہتر ہے۔ (المستدرک علی الصحیحین ۲۲۱۹)

اس حدیث شریف میں نیک اور متقی لوگوں کی صحبت کی اہمیت واضح فرمائی گئی ہے کہ ان کی صحبت کے ثمرات زیادہ ہیں، بمقابلہ تنہائی کے، اس لئے کہ ان کی صحبت سے انوارِ معرفت کی منتقلی کا عمل ہوتا ہے۔

آخرت کو زادِ راہ بنانا

فرمایا: دنیا کا یہ گھر اس فرد کے لئے اچھا ہے، جس نے اسے زادراہ آخرت بنالیا۔“

دنیا کی یہ زندگی ملی ہی آخرت کی تیاری اور سامان جمع کرنے کے لئے ہے، اگر دنیا بجائے خود مقصود ہو جائے اور بیشتر سرگرمیاں دنیا بنانے کے کام میں صرف ہو جائیں تو یہ سب سے بڑی محرومی کی بات ہے اور ابدی زندگی کے خسارہ کا سودہ بھی۔

بُرے علماء کی خرابی

فرمایا: میری امت کے لئے تباہی ہے بُرے علماء کی وجہ سے۔(تخريج أحاديث إحياء علوم الدين ١/١٨٧)

جو علماء اپنے علم پر عمل نہیں کرتے اور دینی علم کو دنیا بنانے کے لئے استعمال کرتے ہیں، ان کی باتوں میں نہ صرف اثر نہیں ہوتا، بلکہ ایسے علماء لوگوں کو دین سے مزید دور کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

غم کا آدھا بڑھاپا ہونا

فرمایا: غم آدھا بڑھاپا ہے۔"

اس حدیث کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ غم سے فرد پر بڑھاپے کی حالت جلد طاری ہونے لگتی ہے، اس لئے کہ تفکرات کا اثر اعضائے جسم پر پڑنے لگتا ہے اور صحت متاثر ہونے لگتی ہے، بندہ مومن پر تو ایک ہی غم غالب ہوتا ہے کہ کسی طرح وہ آخرت میں اللہ کے عتاب سے بچ جائے اور آخرت کی زندگی اس کے لئے آسان ہو جائے، دنیاوی حالات و مسائل بندہ مومن پر زیادہ اثر انداز نہیں ہوتے، اگر ہوتے بھی ہیں تو عبادت اور ذکر و فکر سے وہ اثرات دور ہونے لگتے ہیں، لیکن آخرت کی رسوائی کا غم اس پر ہر وقت لاگو رہتا ہے۔

تکبر سے لباس کا استعمال

فرمایا: جس نے تکبر سے لباس کو زمین پر گھسیٹا ہوا رکھا، اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر کرم نہیں کرے گا۔(صحیح بخاری ٣٦٦٥)

تکبر پر مبنی ہر عمل ایسا ہے، جو بندگی کے شان کے منافی ہونے کی وجہ سے اللہ کے عتاب کا موجب بنتا ہے، تکبر صرف اور صرف اللہ کو زیبا ہے، متکبر فرد اللہ کو چیلنج دیتا ہے، اس لئے اسے دنیا و آخرت میں رسوائی سے دوچار ہونا پڑے گا، دنیا میں رسوائی کے لئے اگرچہ کچھ تاخیر ہی کیوں نہ ہو، لیکن دنیا میں بھی اسے سزا مل کر رہتی ہے۔

بندے کو ہر وقت اپنی عبدیت کے جذبے کو پیش نظر رکھکر آداب بندگی بجالانے چاہیئے۔

عورتوں کی عزت کرنے والے کا
عزیز و کریم ہونا

فرمایا: عورتوں کی عزت کرنے والا عزیز و کریم ہے، ان کی توہین کرنے والا ذلیل و بدبخت ہے۔"

عورت کائنات میں اللہ کی سب سے لطیف اور حساس مخلوق ہے اور مرد کے لئے بیوی کی حیثیت سے اس کے جذبات حسن کی تسکین کا ذریعہ بھی۔ عورت شوہر کے ساتھ اپنے نئے گھر میں آباد ہو کر اپنے آپ کو شوہر کے رحم و کرم پر چھوڑتی ہے۔ عورت کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرنا، یہ مرد کی شائستگی کی علامت ہے، دینداری کی کمی اور حالات و مسائل کے دباؤ کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھر میں عورت کو ملامت کا نشانہ بنانا اور ضد کی حالت پیدا کرنا، موجودہ دور میں یہ حالت عام ہے۔ عورت جہاں لطیف و حساس ہے، وہاں اس کے مزاج میں گرمی و تیزی بھی موجود ہے، عورت کے اس کمزور پہلو کو پیش نظر رکھکر اس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا، عزیز و کریم شخص ہی کا کام ہے۔ یہ حدیث شریف ہمارے لئے مشعل راہ ہونی چاہیے۔

بھلائی کے حکم کے ساتھ اچھے کام کرنا

فرمایا: جس نے بھلائی کا حکم دیا، اس کے اپنے کام بھی بھلے ہونے چاہیئے۔"

داعی کی زندگی قول و فعل کے تضاد سے محفوظ ہوتی ہے، اس کی زندگی دوسروں کے لئے نمونہ ہوتی ہے، بے عمل داعی کی زندگی تضادات کا مجموعہ ہوتی ہے، وہ لوگوں کو اسلام سے قریب کرنے کی بجائے مزید دور کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

مہاجر کی حقیقت

فرمایا: مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کردہ چیزوں کو چھوڑ دے۔ (متفق علیه، رواه البخاري ١٠)

یہ حدیث شریف بُرائیوں سے بچنے کے سلسلے میں نہایت اہمیت کی حامل ہے، بُرائیوں سے بچنا، بُرائیوں کی عادتوں سے بچنا، دراصل اللہ کی طرف ہجرت کرنے کے مترادف ہے، ہجرت کا یہ عمل ایسا ہے، جو نفس پر سخت بھاری ہونے کی وجہ سے مشکل تر ہے، لیکن ہجرت کے اس عمل سے گزرے بغیر نہ اسلام کے تقاضے پورے ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی حد تک ہی سہی، قرب کے مقامات حاصل ہوتے ہیں۔ اس حدیث شریف میں ہجرت کی جس حیثیت کا ذکر کیا گیا، ہجرت کی یہ حیثیت مستقل نوعیت کی ہے، یعنی ہر وقت بُرائیوں سے بچنے کا اہتمام ہونا ضروری ہے، ایسا کرتے رہنے سے ہجرت کا ثواب ملتا رہے گا، دیکھئے، بندہ مومن کے لئے اللہ نے ہجرت کے کیسے اسباب پیدا کر دیئے ہیں۔

کینہ اور حسد کا نیکیوں کو کھا جانا

فرمایا: کینہ اور حسد نیکیوں کو اس طرح کھاتے ہیں، جیسے آگ لکڑیوں کو۔ (سنن ابنِ ماجہ، ۴/۴۷۳،)

حسد اور جلن باطنی بیماری ہے، جو اپنے عزیز و اقارب اور دوست واحباب اور اپنی معاصر شخصیتوں کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھنے اور ترقی کرنے سے پیدا ہوتی ہے، اس کے لئے فرد ان کو

گرانے کے لئے سوچتا رہتا ہے، اور ہیجان خیز حالات سے دوچار ہوتا ہے، اور زیادہ نہیں تو فرد ایسے افراد کی گلا غیبت سے کام لیتا رہتا ہے، اس طرح حسد کی جلن میں اپنی نیکیاں ضایع کرتا رہتا ہے۔